اقبالیات کا تنقیدی جائزہ

قاضی احمد میاں اختر، جوناگڑھی

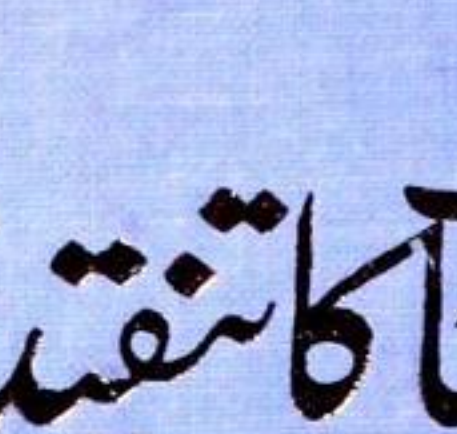

اقبال اکادمی پاکستان

اقبالیات کا تنقیدی جائزہ

قاضی احمد میاں اختر، جوناگڑھی

(مرحوم)

اقبال اکادمی پاکستان

۹۰۔ بی ۲ گلبرگ ۳ لاہور

جملہ حقوق بحق اقبال اکادمی پاکستان
محفوظ ہیں

طبع اول ۱۹۵۵ء
نقش ثانی . . . . . جون ۱۹۶۵ء
ناشر . . . . . اقبال اکادمی، پاکستان لاہور
طابع انٹر سروسز پریس نزد نیپیر بیرک کراچی نمبر ۴
طبع دوم ۱۹۷۷ء
طابع کمبائن پرنٹرز بلال گنج لاہور

فہرست مضامین

۱ ۔ پیش لفظ ۵

۲ — گذارش ز

۳ —تمہید ط

۴ — باب اول ۔ اقبالیات ۱

اقبال پر نظمیں ۔ اقبالیین ۔ اقبال ادبی تاریخوں میں ۔ اقبالی انجمنیں ۔ تصانیف اقبال ۔ تصانیف اقبال کے ترجمے اور شرحیں ۔ اقبال کی غیر مطبوعہ تصانیف ۔ مجوزہ تصانیف ۔ مجوزہ تصانیف اقبال پر تبصرے ۔ سیرۃ اقبال ۔ مختلف حیثیتیں —

۵ — باب دوم ۔ اقبال بحیثیت شاعر ۴۵

شاعر اقبال کا ارتقا ۔ اظہار خیال کا ذریعہ ۔ فطری شاعری ۔ ترقی پسند شاعر ۔ اقبال اور غزل ۔ قومی شاعر ۔ اقبال کا اثر معاصر شعراء پر ۔ مزاحیہ کلام تاریخ گوئی ۔ غیر مطبوعہ اور رد کردہ کلام ۔ اصلاحات ۔ فارسی کلام ۔ فارسی شعر و ادب میں اقبال کا درجہ ۔ اقبال اور آرٹ ۔ مطالعہ کلام اقبال ۔ کلام اقبال کی شرحیں

(۴)

۶ — باب سوم ۔ اقبال بحیثیت مفکر ۲

اسلامی نظام فکر ۔ فلسفۂ اقبال ۔ ما بعد الطبیعیات ۔ اقبال کا علم کلام ۔ اقبال اور تصوف ۔ اسرار خودی ۔ رموز بیخودی ۔ اقبال اور فلسفۂ تعلیم۔ تاریخ داں اقبال

۷ — چہارم ۔ اقبال اور سیاسیات ۳۷

نظریۂ قومیت ۔ اقبال اور پین اسلامزم ۔ ملی اصلاحات ۔ اقبال اور پاکستان—

۸ — باب پنجم ۔ ناقدین اقبال ۵۰

۹ — باب ششم ۔ اقبالیات کا ماضی اور مستقبل ۶۴

اقبالیات مختلف زبانوں میں ۔ کتابیات ۔ اقبالی انجمنوں کے لئے لائحۂ عمل ۔ چند تجاویز—

۱۰ — اشاریہ ۔ ۱۷۵

پیش لفظ

اس کتاب کے مؤلف ایک مخلص انسان، بے مثال عالم اور اقبال کے شیدائی
ے - وہ اب خدا کو پیارے ہو چکے ہیں—

یہ کتاب جو ان کی ایک مایۂ ناز علمی یادگار ہے دوبارہ اسی شکل میں
ئع کی جا رہی ہے جس طرح مؤلف مرحوم نے اسے پہلی بار ہدیۂ ناظرین
یا تھا - جو غلطیاں پہلی طباعت میں رہ گئی تھیں ان کو دور کرنے کی
ی الوسع کوشش کی گئی ہے—

اقبال اکادمی

گزارش

اقبال اکیڈمی کی فرمائش پر یہ مقالہ لکھنا شروع کیا تو خیال تھا کہ بیس پچیس صفحوں میں ختم ہو جائے گا ، مگر جوں جوں آگے بڑھتا گیا ، یہ بجائے سمٹنے کے اور پھیلتا چلا گیا یہاں تک کہ کتابی صورت میں اس کو ترتیب دینا پڑا -

اس قسم کا کوئی تفصیلی جائزہ اب تک شائع نہیں ہوا ، اس لیے اسے پہلی کوشش سمجھنا چاہیے جو مطالعۂ اقبال کے لیے سہولت بہم پہنچانے کی غرض سے کی گئی ہے - اگر اس سے اہل علم کی توجہ اقبال کے صحیح مطالعہ کی طرف ہوگئی تو یہ اس سعی نا تمام کا حاصل ہوگا -

کثرت اشغال اور انتہائی مصروفیتوں میں اس کام کا آغاز ہوا اور آخر وقت تک انہی مصروفیتوں میں یہ انجام کو پہنچا - اس کو اپنا جذبۂ شوق کہیے یا علامہ مرحوم کا روحانی فیضان کہ اس تنگ وقت میں بھی اس کی تکمیل ہوگئی -

سب سے بڑا اور اہم مسئلہ کتابوں کی فراہمی کا تھا - اقبال پر سندھ یونی ورسٹی کا ذخیرۂ کتب ناکافی ثابت ہوا تو اس میں بھی دو "اقبالیوں" نے امداد کی - شفیق محترم جناب ممتاز حسن صاحب کی علم دوستی نے ایک معتدبہ ذخیرۂ اقبالیات اپنے مختصر مگر قیمتی کتب خانہ سے فراہم کر دیا ، اور صدیق صمیم جناب حفیظ ہوشیار پوری کی عنایت سے چند نادر اور نایاب اقبالی کتب کا سراغ ملا ، با ایں ہمہ اس کام کی تکمیل میں بڑی کمی

رہ جاتی اگر بزم اخوان الصفا کے رکن رکین عزیزی جناب سید حسام الدین راشدی اپنے وسیع اور بیش بہا مکتبۂ علمی کے نایاب جواہر سے میری کم مایگی کو دور نہ کرتے ۔

بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی ۔ ان عزیزان گرامی نے اپنے قیمتی مشوروں سے ممنون فرمایا ۔ اس کے لیے فرداً فرداً ان اصحاب ثلاثہ کا شکریہ مجھ پر واجب بلکہ فرض عین ہے ۔

اس مقالے کی طباعت صرف چند دنوں اور راتوں کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے جو انجمن (ترقی اردو) پریس کے عملہ نے محض میری خاطر سے گوارا کی ۔ اس کا باعث پریس کے مستعد مہتمم حامد علی صاحب ندوی کی سعی مشکور ہے ، جنہوں نے اس کو "حلیۂ طبع سے آراستہ" کرنے میں کافی زحمت اٹھائی ۔ صرف چار دن کے اندر ۲۰۰ صفحوں کی کتاب کا تمام مراحل طے کر کے پریس سے نکل آنا ایک اعجاز سے کم نہیں ہے ۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ تنگی وقت کے سبب اس مقالے کو حسب منشا ترتیب نہ دے سکا ۔ طباعت عجلت میں ہوئی ہے اس وجہ سے کافی غلطیاں رہ گئی ہیں جس کے لیے معذرت کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے ۔

غلام همت آں عارفان با کرمیم
کہ یک صواب بہ بینند و صد خطا بخشند

مؤلف

کراچی
۱۹ اپریل ۱۹۵۵ء

الحمد للہ

تمہید

انھارویں صدی کا آغاز مسلمانان بر صغیر ھند کے مذھبی، سیاسی و معاشی زوال کا زمانہ تھا، مغلوں کے جاہ و جلال کا آفتاب نصف‌النہار پر پہنچنے کے بعد جب رو بہ زوال ھوا تو ان کی حکومت کے انحطاط و تنزل کے ساتھ ھی مسلمانوں کے سیاسی جسم کو بھی گھن لگ گیا ۔ اکبر اعظم نے جس مذھبی رواداری اور سیاسی پالیسی کا آغاز کیا تھا، اس کے مضر اثرات آھستہ آھستہ بڑھتے اور پھیلتے رھے، یہاں تک کہ اورنگ زیب اور اس کے کمزور جانشینوں کے عہد میں حالات اس قدر خراب ھو گئے کہ سلطنت مغلیہ کا پنپنا دشوار ھو گیا ۔ نادر شاھی حملہ نے سلطنت اور رعایا کو نیم جان کر دیا، ادھر مرھٹہ گردی اور انگریز سوداگروں کی چال بازیوں نے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے اور آخر دولت تیموریہ کا یہ ٹمٹماتا ھوا چراغ ھمیشہ کے لئے گل ھو گیا ۔ برطانوی حکومت کے تسلط نے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ۔ اس سیاسی انقلاب نے مسلمانوں کے معاشرہ کو جو پہلے ھی ھر حیثیت سے کمزور ھو رھا تھا، اور بھی تباہ و برباد کر ڈالا ۔ اس محکومیت اور غلامی نے ان کے حوصلے پست کر دئے ، ان کے اخلاق و عادات بگڑنے لگے، اور تمدن و معاشرت کی بد حالی سے ان کی قومیت کا شیرازہ بکھر گیا ۔ غلامانہ ذھنیت نے ان کو اپنے مذھبی اور قومی خصائص سے یکسر محروم کر دیا ۔ مذھبی تنزل نے اخلاقی پستی کو راہ دی اور اغیار کی صحبت و تربیت نے عقل میں تیرگی پیدا کی ۔ رفتہ رفتہ نور ایمان سے منور قلوب کی روشنی مانند

پڑتی گئی ، بیدار ضمیر میٹھی نیند سوگیا ، عقل پر پردے پڑگئے ، فکر و تخیل کی جگہ عیش و تنعم نے لے لی ، علم و فضیلت غباوۃ و جہالت سے بدل گئے ، سعادت شقاوت میں تبدیل ہوگئی ۔ زوال حکومت کے ساتھ ساتھ مغربی نوآباد کاری نے ایسی ضرب کاری لگائی کہ ھند کا مسلمان بے دست و پا ہوگیا ۔ متاع دنیوی کے ساتھ ھی متاع علم و ھنر بھی لٹنے اور برباد ہونے لگی ۔ جس دین حق کے چمن کو مجاھدین اسلام نے اپنے خون سے سینچا تھا اس میں خزاں آگئی اور اس پت جھڑ میں پورا چمن اجاڑ اور ویران ہوگیا ۔ اس خانہ ویرانی اور حسرت و ناامیدی نے ھر دل کو بیقرار اور ھر آنکھ کو اشکبار کر دیا ۔ کچھ چارہ ساز مداوا لے کر اٹھے مگر تشخیص غلط تھی ، اس لئے مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام عالم اسلام مغربی نوآبادکاری کے پنجۂ ستم میں مبتلا ہوچکا تھا ۔ مصر و ایران و ترکی جیسی عظیم‌الشان سلطنتیں اپنا سیاسی اقتدار کھو رھی تھیں ۔ مغربی نوآباد کاروں کی دراز دستیوں نے ان کو کمزور بلکہ اپاھج بنا دیا تھا اور نہ صرف اسلامی حکومتوں میں بلکہ مسلمانوں کی دینی اور معاشرتی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر پوری قوم میں انتشار و افتراق پیدا کر دیا تھا ۔ مغرب کی ان دسیسہ کاریوں کو بے نقاب کرنے اور مسلمانوں کو ایک دینی مرکز پر متحد کر کے ان کی مذھبی اخلاقی و معاشرتی اصلاح کے لیے علامہ سید جمال الدین افغانی اور مفتی عبدہ مصری جیسے علمائے مجاھدین اٹھ کھڑے ہوئے ۔ اسی طرح ھندوستان میں حضرت سید احمد بریلوی ، مولانا اسماعیل شہید وغیرہ نے تجدید و اصلاح کا غلغلہ بلند کیا اور اس کے بعد سید احمد خاں اور ان کے رفقائے کار نے مسلمانان ھند کی اصلاح و تہذیب کی جلیل القدر خدمات انجام دیں اور ان کی ترقی کے لیے سرگرم کوششیں کیں ۔ مگر حکومت کی پشت و پناھی اور زندگی کے ھر شعبہ میں اس کے دخل نے مسلمان کو آگے بڑھنے کا موقع نہ دیا ۔ ادھر ھمسایہ

قوم نے ہر ممکن طریقہ سے مخالفت کی اور طرح طرح کے قومی تنازع
پیدا کر دیے ۔ برطانوی حکومت کی " پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو "
پالیسی نے اس خلیج نفاق کو وسیع تر کر دیا ۔ مسلمان اعلیٰ تعل
یافتہ نہ تھے اس لیے حکومت کے " شاہی مراتب " سے محروم رہے
ہمسایہ قوم نے تمام تر اس کا فائدہ اٹھایا ۔ ایک مدت کے بعد تعلیم
بیداری تو آئی مگر تعلیم کا کوئی خاص نصب العین اور مطمع نظر
تھا ، اس لیے قومی خصائص سے نفور اور اسلامی تہذیب و تمدن
اتنے دور جا پڑے کہ احساس خود داری سرے سے مفقود ہو گیا
مغربی تعلیم نے بقول اکبر " دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جا
سے " مذہب کی طرف سے سوء ظن اور الحاد پیدا کر دیا ۔ اس احسا
کمتری میں رہی سہی قوت ایمانی اور خصائص ملی کا بھی خات
ہو گیا ۔ مذہب کے نام سے نفرت اور بیزاری عام ہونے لگی ۔ علما
مذہب کی مذمت اور دین کا استہزا ان کا شعار ہو گیا ۔ قرآن وسن
کا اتباع صرف ارباب مذہب کے لیے مخصوص سمجھا جانے لگا
نفاق و افتراق بڑھ گیا ، اتحاد ملت کی حبل متین ہاتھ سے چھوٹ گئی
فرقہ بندیوں اوز ذات پات کی مفاخرت سے جھوٹی تعلی اور تکبر بڑھ گیا
مکر و ریا ، فریب و دغا عام ہو گیا ، غرض کہ مسلمان مسلمان نہ رہا
مغربی سیاست کاری کے پر فریب سبز باغ کو اپنی سرسبزی اور شادابی ـ
تعبیر کرنے میں مسلمان نے سخت ٹھوکریں کھائیں ، اس آفتاب لب ب
کو طلوع اسلام سمجھنے میں اس کی قسمت کا ستارہ اور گردش میں آ گیا
ان حالات میں کہ ملت کے جسم کو گھن لگ چکا تھا اور اس کے زن
رہنے اور پنپنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی کہ ایک " برہمن زادہ " ـ
" بانگ درا " نے صور اسرافیل کا کام کیا ۔ مردے جی اٹھے ، جان مـ
جان آئی ، زندگی اور خودی کے احساس نے حسرت و یاس کو امید ا
کامرانی سے بدل دیا ، عقل و شعور جاگ اٹھے ، ضمیر بیدار ہو گیا

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا ،، کی اقبالی بانگ درا نے پوری کو بدل دیا ۔ ایک ہندی نژاد مسلمان شاعر اور فلسفی کی حقیقت نگر بین نظر نے ایک روشن اور تابناک مستقبل کی پیشگوئی کرتے ہوئے نہ ، تاریک دلوں میں چراغ آرزو روشن کیا بلکہ چمن کے ذرے ذرے کو بد جستجو کر دیا ۔ اس رنگین نوا بلبل کے ترنم نے اس کبوتر کے نازک میں شاہین کا جگر پیدا کر دیا ۔ اس کے سینہ میں جو راز زندگی یدہ تھا وہ اس نے مسلمان سے کہ دیا اور اس کے درخشاں مستقبل کی گوئی کرتے ہوئے اس کو یہ تلقین کی کہ :

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

بـــاب اول

(۱)

اقبـالـيـات

شاعر و حکیم مشرق علامہ اقبال نے اپنی زندگی بخش اور حیات افر
پیغام سے مسلمانان پاک و ھند میں جو روح پھونکی ھے اور دس کروڑ نفو
انسانی کو غلامی کے طوق لعنت سے نجات دلانے کے لئے اس عالی دما
فرزند اسلام نے جو راہ عمل بتائی تھی اس پر چل کر ملت بیضا نے ایک نئ
زندگی حاصل کی ھے ۔ اس مرد مجاھد نے جس طرح مسلمانوں کے ایمان و عم
کو تازہ کرنے اور ان کی خفتہ طاقتوں کو بیدار کرنے اور ابھارنے میں حصہ
لیا ھے وہ اسلامی تاریخ کا ایک اھم ترین واقعہ ھے جس کو کبھی فراموش
نہیں کیا جا سکتا ۔ دور جدید کے رھنماؤں میں علامہ اقبال کا نام سر فہرست
ھے اور ان کی دماغی کاوشیں ھمارا بہترین ثقافتی ورثہ ھے جس کو محفوظ رکھ
ھمارا قومی فریضہ ھے ۔ اگرچہ ان کی زندگی ھی میں اور وفات کے بعد بھی
کو ۲۰ سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا، نہ صرف افراد قوم نے بلکہ غیر مذاہ
اور غیر ممالک کے اھل علم نے بھی ان کو خراج عقیدت پیش کیا ھے
ان کے دماغی کارناموں کو زندۂ جاوید بنانے میں پوری کوشش کی ھے ۔ لیک
اس سمت میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ھے ۔ اقبال کے پیغام، ان کی شاعر
ان کے فلسفے اور ان کی علمی و ادبی اور سیاسی کوششوں پر بہت کچھ لک
گیا ھے ۔ لیکن ان کی تحصیلات اور کمالات کے پیش نظر یہ سرمایہ ابھی زیا
سے زیادہ اضافہ کا محتاج ھے ۔ اس سلسلہ میں کئی کتابیں، مقالے، اور مضام

ع ہو چکے ہیں اور ان میں آئے دن جستہ جستہ اضافہ ہو رہا ہے۔
چہ ہماری قومی زبان کے علاوہ دنیا کی کئی زبانوں میں بھی خاصہ لٹریچر
ا ہو گیا ہے جس کو ''اقبالیات،، کا موزوں نام دیا گیا ہے ۔ اس خیال کے
ں نظر کہ اقبال پر کس حد تک کام ہوا ہے؟ اس کی نوعیت کیا ہے؟
ر ہمیں اس سلسلے میں مزید کیا کام کرنا ہے؟ اس پورے لٹریچر پر ایک
یدی نظر ڈالنی ضروری ہے تاکہ ہم اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ
ر سکیں ۔ اور یہ معلوم کر سکیں کہ ہمیں اقبال کی شخصیت، ان کے
الات اور ان کے پیغام کو سمجھنے میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے
ر ہم نے عالم اسلام کی اس عظیم اور بلند ترین شخصیت کے افادات سے
رہ مند اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کہاں تک کوشش کی ہے۔

''اقبالیات،، کا جائزہ لینے سے پیشتر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس اصطلاح
ہماری مراد کیا ہے اور یہ کن چیزوں پر حاوی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں
تمام تحریریں اور تقریریں، نظم و نثر، خواہ وہ کسی زبان میں مطبوعہ یا غیر
بوعہ یا روایتی صورت میں، اقبال کی زندگی، ان کی شخصیت، ان کے علمی و
، کمالات کے کسی پہلو اور کسی حیثیت سے نزدیک و دور کا تعلق رکھتی
ں، اقبالیات میں شمار ہوتی ہیں ۔ اسی طرح خود علامہ اقبال کی اپنی
یروں، تقریروں، مکاتیب، تصانیف اردو، فارسی، انگریزی وغیرہ بھی اس ضمن
، آ جاتی ہیں ۔ ان میں سے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو اقبال کی زندگی
، لکھی گئی ہیں اور اکثر ان کی نظر سے بھی گزر چکی ہیں اور بعض
کی وفات کے بعد شائع ہوئی ہیں ۔ ان میں موافق اور مخالف، عقیدتمندانہ
ر ناقدانہ، تنقیدی اور تعریفی، ہر قسم کی تحریریں ہیں جن پر ''اقبالیات،،
اطلاق ہو سکتا ہے، خواہ وہ ہند و پاکستان میں لکھی گئی ہوں یا یورپ
امریکہ میں، مصر و فلسطین میں ہوں یا عراق و شام میں، عرب میں ہوں

یا ایران وغیرہ اسلامی ممالک میں ۔ ان میں زیادہ تر ایسی تحریریں ھیں جو عام طور پر دستیاب نہیں ھوتیں ۔ پھر بھی ان کا بڑا حصہ ھماری دسترس کے قابل ھو سکا ھے ۔ اور کچھ حصہ ناقابل حصول ھے جو ماضی بعید میں شائع ھوا اور ناپید نہیں تو خارج از طباعت ھو کر نادر اور نایاب ھو چکا ھے۔ بہر حال کوشش کی گئی ھے کہ اس جائزے میں کوئی اھم تحریر نہ چھوٹنے پائے سوائے اس کے جو ھمارے احاطہ علم اور دائرۂ نظر و خبر سے باھر ھے ۔ اس وسیع لٹریچر کے مفہوم کو ظاھر کرنے کے لئے ''اقبالیات،، سے بہتر اور جامع کوئی اصطلاح نہیں ھو سکتی جو مختصر بھی ھے اور با معنی بھی سریع الفہم ھے اور سہل الوصول بھی—

اقبال سے متعلق پورے لٹریچر کا جائزہ ایک مقالے میں نا ممکن نہیں تو دشوار ضرور ھے ۔ پھر تنقیدی جائزہ کوئی آسان کام نہیں خصوصاً ان تحریروں کا جو اردو، انگریزی ، فارسی، عربی، جرمن اور اطالوی زبانوں میں اقبال کے فلسفہ، تصوف، شاعری یا فن کاری سے متعلق لکھی گئی ھیں اور جن کے بعض لکھنے والے ممتاز علمی حیثیت اور شہرت رکھتے ھیں ۔ لیکن ایسی تصانیف یا تحریرات بہت تھوڑی ھیں۔ اقبال کی شاعرانہ عظمت ، علمی شہرت اور ان کے طرز کلام کی جدت اور لذت نے ملک کے متوسط علمی طبقہ کو ان کا گرویدہ بنا دیا ھے اور ان میں سے ھر وہ شخص جو قلم اٹھا سکتا تھا اس نے اقبال پر لکھنا شروع کر دیا ۔ ان میں شاعر ھیں اور ادیب بھی، جدید طبقہ کے لوگ بھی ھیں اور قدیم الخیال بھی، واقف حال بھی ھیں اور لذت آشنائے قال بھی۔ اقبال کے شناسا بھی ھیں اور ھمنشین بھی ۔ احباب بھی ھیں اور معترضین بھی۔ غرض کہ کسی خاص منصوبہ یا نظم و ترتیب کے بغیر ھر ایک نے اقبال کو خراج تحسین و عقیدت پیش کرنے میں پیش قدمی کی ھے ۔ یہ اور بات ھے کہ اس میں اس کو کامیابی نصیب ھوئی یا نہیں ۔ بقول غالب—

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

ان میں بہت ہی کم تعداد ایسے لکھنے والوں کی ہے جنہوں نے صحیح اور مکمل طور پر اقبال کے قلمی آثار کا مطالعہ کیا ہے اور اگر کیا ہے تو انہیں پوری طرح سمجھا بھی ہے ۔ چنانچہ اقبالیات کا تقریباً دو تہائی حصہ ایسی ہی تحریروں پر مشتمل ہے جو عام طور پر ستائشی اور ان کی مختلف حیثیتوں کے بعض اطراف پر روشنی ڈالتا ہے ۔ اقبال پر قلم اٹھانے کے داعیات و اسباب پر بھی ایک نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ ہمارے اہل قلم اور ارباب فکر کے ذوق و شوق ، دلی لگاؤ اور صحیح ذوق و وجدان کا بھی اندازہ ہو سکے۔ اقبال کی زندگی میں ان پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی نوعیت زیادہ تر ستایشی اور جذباتی ہے ۔ البتہ ان کی وفات کے بعد جوں جوں متاع کاروان کی گمشدگی کا احساس تیز تر ہوتا گیا، اقبال کے کلام اور ان کی تصانیف کے مطالعہ کی طرف رجحان بڑھتا گیا اور ہمارے اساتین ادب اور ارباب فکر و نظر نے اقبال کو اپنی تحریرات و تصانیف کا موضوع بنایا ۔ اس طرح ایک خاصی تعداد ایسی تصانیف و تحریرات کی وجود میں آ گئی جس کے لئے ''اقبالیات،، کی اصطلاح وضع کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

''اقبالیات،، کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں تین قسم کی تحریرات ہیں :۔

۱۔وہ مستقل تصانیف جو اقبال کی کسی خاص حیثیت یا ان کی فکر و نظر کے کسی مخصوص پہلو پر لکھی گئی ہیں۔

۲۔متفرق مقالات اور مضامین کے مجموعے جو ان کی وفات کے فوراً بعد یا اس وقت سے لیکر آج تک کتابی صورت میں یا علمی و ادبی رسالوں کے خاص

نمبر کی حیثیت سے شائع ہو چکے ہیں ۔ ان میں بھی تین قسم کے مجموعے پائے جاتے ہیں—

(الف) وہ مضامین جو یوم اقبال کے موقع پر لکھے گئے—
(ب) وہ متفرق مضامین جو مختلف اہل علم نے مختلف اوقات میں لکھے اور کتابی صورت میں جمع کئے گئے—

(ج) وہ مضامین جو ناشرین کتب نے تجارتی اغراض سے تیار کرا کر شائع کئے ۔ رسائل و جرائد کے خاص نمبر اتنی تعداد میں شائع ہوئے ہیں کہ ان کا ضبط کرنا دشوار ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب کے سب معیاری نہیں ہو سکتے ۔ البتہ ان میں چند رسالوں کے خاص نمبر مستثنیٰ ہیں جو وفات اقبال کے بعد ہی قریب زمانے میں شائع ہوئے ۔ ان میں مندرجہ ذیل رسائل خاص طور سے قابل ذکر ہیں :—

۱—نیرنگ خیال (لاہور) کا اقبال نمبر مرتبہ بدر الدین حسن و حکیم محمد یوسف حسن ، مطبوعہ کریمی پریس لاہور سنہ ۱۹۳۲ء ۴۰۸ صفحات ، جو کتابی صورت میں اقبال کی زندگی میں شائع ہوا—

۲—رسالہ اردو (دہلی) کے سہ ماہی رسالہ کا اقبال نمبر بابت اکتوبر سنہ ۱۹۳۸ء جو بعد کو کتابی صورت میں سنہ ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔ ۳۷۶ صفحات میں اقبال پر مشاہیر اہل قلم کا مجموعہ ہے—

۳— رسالہ جوہر (جامعہ ملیہ) کا اقبال نمبر مطبوعہ سنہ ۱۹۳۸ء ۲۲۶ صفحات—

۴— شیرازہ (لاہور) کا اقبال نمبر مرتبہ چراغ حسن صاحب حسرت جو مئی سنہ ۱۹۳۸ء میں ''اقبال نامہ،، کے نام سے کتابی صورت میں شائع

ہوا، اور بعد کو ہونہار بکڈپو ریلوے روڈ لاہور نے سنہ ۱۹۴۰ع میں اس کو صفحہ ۱۵۱ پر دوبارہ شائع کیا۔ اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے نہایت قابل قدر مضامین کا مجموعہ ہے۔

۵۔ سب رس (ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد دکن) کا اقبال نمبر بابت جون سنہ ۱۹۳۸ع ۱۶۸ صفحات۔

۶۔ علی گڑھ میگزین ۔ اقبال نمبر بابت اپریل سنہ ۱۹۳۸ع۔

۷۔علی گڑھ اردو میگزین ۔ اقبال نمبر بابت اکتوبر سنہ ۱۹۳۸ع۔

یہ خاص نمبر اردو کے ان بلند پایہ اور معیاری رسائل کے ہیں جو اردو ادب میں مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور اقبالیات کے سلسلے میں مستند مانے جاتے ہیں۔ ان کے بعد بھی تقریباً ہر سال بعض اردو رسائل کے خاص اقبال نمبر نکلتے رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اقبال کی مختلف حیثیات پر مقالات کے مجموعے شائع کئے گئے ہیں جن میں مندرجۂ ذیل مجموعے قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ اقبال پر ایک نظر۔ مرتبۂ سید محمد شاہ ایم۔اے۔ یہ کل دس مضامین کا مجموعہ ہے اور سنہ ۱۹۴۴ع میں اقبال اکیڈیمی نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ مختلف اہل قلم کے مختصر اور سرسری مضامین کا مجموعہ ہے۔ بعض لکھنے والے اگرچہ اردو کے مشاہیر ادب ہیں مگر انہوں نے کوئی خاص بات نہیں کہی۔

۲۔بزم اقبال۔ از ابو طاہر صاحب فاروقی مطبوعہ سنہ ۱۹۴۴ع صفحات ۲۷۱۔ مختلف اہل قلم کے معمولی مضامین کا مجموعہ ہے جن میں اقبال کی مختلف حیثیتوں پر لکھا گیا ہے۔ اس میں چند نظمیں بھی شامل ہیں جو اقبال پر بعض شعراء نے لکھی ہیں (صفحہ ۳ تا ۳۷)۔

۳—آثار اقبال ۔ مرتبہ غلام دستگیرصاحب رشید ۔ مطبوعہ رزاق مشن پریس حیدرآباد سنہ ۱۹۴۴ع اقبال سے متعلق سب مجموعوں میں یہ بہترین مجموعہ مضامین ہے جس کے لکھنے والوں میں بعض مشہور اہل قلم ہیں—

۴—مقالات یوم اقبال ۔ جو ۹ جنوری سنہ ۱۹۳۸ع کو ہندوستان بھر میں منایا گیا ۔ اس موقع پر لاہور کے ادارہ انٹر کالجیٹ مسلم برادرہڈ کے جلسہ میں جلال‌الدین اکبر صاحب ، مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر ظفرالحسن ، سید عابد علی عابد ، راجہ حسن‌اختر ، چودھری شیرمحمد وغیرہ نے مضامین پڑھے تھے ۔ اصل کتاب صفحہ ۱۶۰ سنہ ۱۹۳۸ع میں قومی کتب خانہ لاہور نے شائع کی تھی ۔ پھر سنہ ۱۹۴۸ع میں ۱۱۴ صفحات پر شائع ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک مجموعہ انگریزی زبان میں Aspects of Iqbal کے نام سے شامل ہے جس کے ۱۱۴ صفحے ہیں ۔ اس کو بشیر احمد صاحب ڈار نے مرتب کیا ہے اور ڈاکٹر تاثیر نے اس پر ۲۲ صفحوں کا مقدمہ لکھا ہے ۔ اس میں کل پانچ مقالے ہیں ۔ اس کے مضامین اگرچہ وقتی ضرورت سے لکھے گئے ہیں تاہم بعض قابل قدر اور لائق مطالعہ ہیں ۔ اقبال کی مجموعی حیثیت پر بھی بعض مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جو حسب ذیل ہیں :—

۱—جہان اقبال ۔ از عبدالرحمن صاحب طارق۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ع۔ اقبال کے مختلف موضوعات سخن پر تبصرہ ہے—

۲—اقبال کامل ۔ از مولوی عبدالسلام صاحب ندوی ۴۰۰ صفحات ، مطبوعہ معارف پریس دارالمصنفین اعظم گڑھ سنہ ۱۹۵۰ع اقبال کے مختصر حالات لکھے ہیں ، ان کی مختلف حیثیات دکھائی ہیں اور ان کی شاعری ، فلسفہ ، سیاسیات وغیرہ سے متعلق تمام جزئیات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے ۔ مجموعی حیثیت سے اقبال پر نہایت جامع کتاب ہے اور مؤلف کی تحقیق و تلاش

اور وسعت نظر کا بین ثبوت ۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اسم با مسمیٰ ہے ۔

۳ ۔ اشارات اقبال ۔ از عبدالرحمن طارق مطبوعہ ۱۹۴۸ء لاہور، اقبال کے کلام اور ان کی تلمیحات کی تشریح ۔

۴ ۔ جوہر اقبال ۔ از عبدالرحمن طارق۔ سنہ ۱۹۵۳ء ، صفحات ۵۳۶، اقبال کے چند موضوعات فکر و نظر کی تشریح و توضیح جو اسلامی عقائد سے متعلق ہیں ۔ مثلاً درس توحید ، اقبال اور عشق رسول ، اقبال اور مذمت تقلید، اقبال کا درس حریت ، اقبال کی حکمتِ یقین و حکمت آرزو وغیرہ ۔

۵ ۔ مقام اقبال ۔ از اشفاق حسین صاحب ایم ۔ اے مطبوعہ رزاق مشن پریس حیدرآباد، سنہ ۱۹۴۵ء، ۳۳۰ صفحات ۔ اقبال کے نظام فکر، ان کے پیغام اور شاعری پر بحث کی گئی ہے اور اقبال کا مقام دکھایا گیا ہے ۔

اقبال پر نظمیں :۔ اقبال پر کئی شعرائے اردو نے نظمیں کہی ہیں ۔ ایسی نظمیں بے شمار ہیں جو مختلف رسائل و جرائد میں بکھری پڑی ہیں ۔ اب تک صرف ابتدائی نظموں کا ایک مجموعہ ''یاد اقبال،، کے نام سے غلام سرور صاحب فگار نے مرتب کیا ہے ۔ اقبال پر بعض نظمیں نیرنگ خیال کے اقبال نمبر (صفحہ ۱۲ تا ۱۴) اور (صفحہ ۳۸۳ تا ۴۰۸) رسالہ اردو اور جوہر کے اقبال نمبر اور اقبال نامہ مرتبہ چراغ حسن حسرت (صفحہ ۱۴۰ تا ۱۵۱) میں بھی پائی جاتی ہیں ۔ ایک فارسی نظم قاری عبداللہ خاں نے لکھی تھی جو ''خیر مقدم،، کے عنوان سے سفر افغانستان کے دوران میں اقبال کی موجودگی میں پڑھ کر سنائی گئی تھی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب سیر افغانستان (صفحہ ۱۷ مطبوعہ نفیس اکیڈیمی حیدرآباد سنہ ۱۹۴۵ء) میں شامل ہے ۔

اقبال کی حین حیات میں اور گذشتہ ۱۷ سال کے اندر اقبال پر مضامین،

نظمیں، مقالات اور کتابیں لکھی گئی ھیں ۔ ان کا بہت بڑا حصہ یا تو ستائشی ھے یا اقبال کی ھر دلعزیزی اور مقبولیت کلام کے لحاظ سے محض تجارتی مقصد کے پیش نظر تیار ھوا ھے ۔ گذشتہ ۱۷ سال سے یوم اقبال تقریباً ھر سال ھند و پاکستان کے مختلف حصوں میں منایا جاتا ھے اور اس موقع پر مقالات پڑھے جاتے ھیں، تقریریں کی جاتی ھیں اور وہ برابر اخباروں اور رسالوں میں چھپتی رھتی ھیں ۔ قیام پاکستان کے بعد سے بیرونی ممالک میں پاکستانی سفارت خانوں کی طرف سے ھر سال ۲۱ اپریل کو یوم اقبال منایا جاتا ھے ۔ اور اس تقریب پر کتابیں اور رسالے بھی شائع ھوتے رھتے ھیں ۔ ان سے یہ تو اندازہ ھوتا ھے کہ اقبال کے ساتھ مسلمانوں کو جو شغف ھے وہ بڑے جوش و خروش سے ظاھر ھوتا رھتا ھے ۔ لیکن یہ تحریریں اور تقریریں زیادہ تر ستائشی اور سرسری ھوتی ھیں ۔ الا ماشاء اللہ ۔ اقبال کی مختلف حیثیتوں پر لکھنے والوں میں زیادہ تر وہ لوگ ھیں جو اقبال کے نظریات و خیالات کے شناسا کہے جا سکتے ھیں ۔ کسی بڑے انسان کے جذبات و خیالات کو سمجھنے کے لئے ایسے قابل آدمی ھونے چاھئیں جن کا مطالعہ وسیع ھو اور وہ اس کے افکار و نظریات کو سمجھنے کی اھلیت رکھتے ھوں ۔ اس معیار پر صرف چند گنے چنے لوگ ھی پورے اتر سکتے ھیں، جنھوں نے اقبال کو سمجھ کر دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کی ھو ۔ اقبالیات کے موضوع پر لکھنے والوں میں صرف چند اھل علم ایسے ملتے ھیں جن کی تحریروں میں ھمیں اقبال کو سمجھنے میں مدد ملتی ھے ۔ مثلاً اقبال کی شاعری، آرٹ اور فلسفیانہ افکار کے مختلف پہلوؤں پر ایک جامع کتاب ''روح اقبال،، ھے جو ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے لکھی ھے اور اسم با مسمیٰ ھے ۔ یہ کتاب اپنی جامعیت اور صحت فکر و نظر کے اعتبار سے اس قابل ھے کہ اس کو اقبالیات میں سر فہرست جگہ دی جائے ۔ اسی طرح اقبال کے تصور زمان و مکان پر ڈاکٹر رضی الدین صدیقی کا ایک مقالہ ھے جس میں اقبال کے نظریہ کی بخوبی

وضاحت کی گئی ہے ۔ ''رومی اور اقبال،، ایک خاص موضوع ہے جس پر بہت کم لوگوں نے توجہ کی ہے ۔ اس پر لکھنے والوں میں خلیفہ عبدالحکیم صاحب بہت پیش پیش ہیں ۔ جہاں تک یورپ کے مارکسی خیالات اور سرمایہ دارانہ نظام کا تعلق ہے اقبال کے خیالات و افکار کی صحیح ترجمانی بہت کم ہوئی ہے ۔ اس سلسلہ میں چودھری محمد علی صاحب کا خطبہ' صدارت نہایت سبق آموز و بصیرت افروز ہے—

اقبالیین

یہاں ان حضرات کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جنہوں نے ''اقبالیات،، کو اپنا خاص موضوع بنا لیا ہے اور ان پر مستقل کتابیں اور مضامین لکھے ہیں ، اس لحاظ سے ان کو اقبالیین کہنا زیادہ موزوں ہوگا ۔ یوں تو اقبال پر مضامین اور کتابیں لکھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان میں ہند و پاکستان کے علاوہ غیر ممالک کے بھی کئی مصنف اور اہل قلم شریک ہیں ۔ لیکن ان میں بہت تھوڑے ہیں جو اقبال شناس کہے جا سکتے ہیں ۔ یہاں چند مشہور اقبالیین کے نام درج کئے جاتے ہیں—

۱ سر شیخ عبدالقادر مرحوم ۔ اقبال کے خاص دوست، ان کے کلام کی اشاعت کے محرک اور بانگ درا کے مقدمہ نگار—

۲ عطیہ بیگم فیضی ۔ اقبال کے زمانہ' تحصیل علم میں جرمنی اور انگلستان کی پرانی شناسا اور دوست ، خطوط اقبال کی مرتب—

۳ چودھری محمد حسین صاحب ۔ اقبال کے ہمنشین اور ذاتی کاموں میں حصہ لینے والے ۔ اقبال پر متعدد مضامین کے مصنف—

۴ ڈاکٹر یوسف حسین خاں ۔ روح اقبال کے مصنف جن کا مطالعہ' اقبالیات بہت وسیع ہے—

۵ ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی ۔ اقبال کے فلسفہ اور ریاضی مسائل پر متعدد مضامین کے مصنف —

۶ خواجہ غلام السیدین ۔ اقبال کے فلسفہ' تعلیم پر پہلے کام کرنے والے۔ ان کے تعلیمی فلسفہ پر ایک بہترین کتاب کے مصنف —

۷ مولانا اسلم جیراجپوری ۔ اقبال کے پرانے مداح ان کی شاعری اور فلسفہ پر مسلسل لکھنے والے —

۸ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ۔ اقبال کے فلسفہ خصوصاً اقبال اور رومی پر لکھنے والوں میں ممتاز —

۹ سید نذیر نیازی ۔ اقبال کے استاد زادے اور ہم نشین ان کی صحبتوں سے کافی مستفید اور ان پر کئی کتابوں اور مضامین کے مصنف —

۱۰ جناب ممتاز حسن احسن ۔ اقبال کی صحبتوں سے کافی مستفید ۔ ان کی شاعری اور فلسفہ کا بغور مطالعہ کرنے والے اور ان پر کئی مضامین کے مصنف —

۱۱ جناب حفیظ ہوشیار پوری ۔ اقبال کی صحبتوں سے مستفید ۔ ان پر کئی مضامین، نظمیں اور تاریخیں لکھنے والے —

۱۲ سید عبدالواحد ۔ اقبال پر انگریزی میں کتابوں کے مصنف، ان کے غیر مطبوعہ کلام کے جامع —

۱۳ ڈاکٹر عشرت حسن انور ۔ اقبال کے ما بعدالطبیعی فلسفہ کے طالب علم اور اس پر ایک پر مغز مقالہ کے مصنف —

۱۴ ڈاکٹر میر ولی الدین ۔ اقبال کے فلسفیانہ اور متصوفانہ خیالات و افکار پر کئی مضامین کے مصنف —

۱۵ میر حسن الدین ۔ اقبال کی کتاب فلسفہ' عجم کے مترجم ۔ ان کے بعض خطبات کے مترجم اور ان پر متعدد مضامین کے مصنف —

۱۶ ڈاکٹر سید عبداللہ۔ اقبال کی مختلف حیثیتوں پر متعدد تحقیقی مضامین کے مصنف۔

ان حضرات کے علاوہ یورپ اور اسلامی ممالک کے جن اہل قلم حضرات نے اقبال کو اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا ہے ان میں مندرجہ ذیل اصحاب قابل ذکر ہیں :۔

۱ ڈاکٹر رینالڈ نکلسن	(انگلستان)
۲ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بے	(مصر)
۳ صلاح الدین سلجوقی مرحوم سفیر کابل در ہند	(افغانستان)
۴ ملک الشعرا بہار مرحوم	(ایران)
۵ پروفیسر جان آرتھر آربری	(انگلستان)
۶ مجتبیٰ مینوی	(ایران)
۷ ایلی سنڈرو بوسانی	(اٹلی)
۸ ڈاکٹر علی گنجیلی	(ترکی)
۹ بہرام رنگ بوتی	(انڈونیشیا)

اقبال ادبی تاریخوں میں

اقبال اردو زبان کے بہترین اور نامور شاعر تھے۔ انہوں نے اردو شعر کی زبان میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کے باوجود اردو ادب کی تاریخوں میں ان پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ رام بابو سکسینہ نے انگریزی میں اردو زبان و ادب کی مبسوط تاریخ لکھی ہے جو پہلی مرتبہ سنہ ۱۹۲۷ع میں شائع ہوئی۔ حالانکہ اس وقت اقبال کی شاعری کا آفتاب نصف‌النہار پر پہنچ چکا تھا۔ لیکن انہوں نے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ البتہ اردو ترجمہ میں مرزا محمد عسکری صاحب کو اقبال پر ایک

ضمیمہ کا اضافہ کرنا پڑا ۔ اس کے بعد اصل کتاب کے دوسرے اڈیشن میں بھی جو سنہ ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا، اقبال پر کچھ نہیں لکھا گیا ۔ گریہم بیلی نے اپنی کتاب تاریخ ادب اردو مطبوعہ ۱۹۳۲ء میں اقبال کو شاعری کے دور جدید میں جگہ نہیں دی ۔ لیکن خاتمہ میں ان پر صرف ایک صفحہ لکھ دیا ہے ۔ گل رعنا میں مولوی عبدالحئی صاحب نے اقبال کا ذکر نہیں کیا۔ شعرالہند میں مولوی عبدالسلام صاحب نے اقبال کو صرف فطرت نگار اور قومی شاعروں میں شمار کیا ہے—

جدید اردو شاعری اور تنقید پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اقبال کو نمایاں جگہ دی گئی ہے ۔ چنانچہ عبدالقادر صاحب سروری نے اپنی کتاب ''جدید اردو شاعری،، میں اقبال کو ایک نئے عصر کا معمار بتایا ہے اور پروفیسر کلیم الدین احمد نے اپنی کتاب ''اردو شاعری پر ایک نظر،، میں اقبال کے فن شاعری پر کافی بحث کی ہے اور ان کو بہترین قومی اور ملی شاعر ثابت کیا ہے ۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں جو سنہ ۱۹۰۷ء سے لے کر سنہ ۱۹۳۸ء یعنی اقبال کی وفات تک تکمیل کو پہنچی ہے اور جس میں تمام اسلامی موضوعات اور مشاہیر اسلام پر مضامین لکھوائے گئے ہیں، اقبال جیسے ایک بین الاقوامی شاعر اور فلسفی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ۔ البتہ اردو ادب کے سلسلہ میں انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار مولوی عبدالحق صاحب کے مضمون میں اقبال کی شاعری پر چند سطریں پائی جاتی ہیں۔ اس وقت کتاب مذکور کا دوسرا ایڈیشن تیار ہو رہا ہے اور یہ اقبال اکیڈیمی کا فرض ہے کہ اس کی مجلس ادارت کو اس طرف توجہ دلائے ۔ یا اقبال پر ایک مفصل اور جامع مضمون انگریزی میں لکھوا کر ان کو بھیج دے ۔ میرے خیال میں پروفیسر مولوی محمد شفیع صاحب سے بہتر اس کام کو کوئی انجام نہیں دے سکتا جو خود بھی اس کی طبع ثانی کی مجلس ادارت کے ایک رکن ہیں—

اقبالی انجمنیں

اقبالیات کے سلسلہ میں علمی و ادبی انجمنوں کا ذکر ناگزیر ہے جو اقبال کی شاعری ، ان کے پیغام ، ان کے خیالات اور افکار کی نشر و اشاعت کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں قائم کی گئی ہیں ۔ ان میں لاہور کی 'بزم اقبال، کراچی کی اقبال سوسائٹی اور اقبال اکیڈیمی خاص طور سے قابل ذکر ہیں ۔ اول الذکر کی طرف سے ''اقبال،، کے نام سے ایک بلند پایہ ماہ نامہ اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے ۔ ان کے علاوہ ہند و پاکستان کے مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ایسی انجمنیں قائم کی گئی ہیں جو اقبال کے نام سے موسوم ہیں ۔ ان کا مقصد زیادہ تر یوم اقبال منانا ہے اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے ان میں اقبال پر علمی حیثیت سے کوئی خاص کام نہیں ہو رہا ہے ۔ افسوس کہ یہ بھی ایک رسمی چیز ہو کر رہ گئی ہے—

تصانیف اقبال

اقبالیات کے سلسلہ میں سب سے پہلے خود اقبال کی تصانیف کا نمبر آتا ہے چنانچہ مندرجہ ذیل کتابیں ان کی فکر بلند اور دماغی کاوش کا نتیجہ ہیں :—

۱۔علم الاقتصاد ۔ اردو میں پولیٹکل اکانمی پر اقبال کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو سنہ ۱۹۰۱ع میں شائع ہوئی تھی اور آج کل نایاب ہے ۔ اس کا اصل مسودہ اقبال نے عطیہ بیگم کو دیا تھا (۱) ۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مولانا شبلی نے اس کی زبان درست کی تھی جیسا کہ خود اقبال نے دیباچہ میں ذکر کیا ہے(۲)

---

(۱) مکاتیب اقبال بنام عطیہ بیگم انگریزی صفحہ (۱۹)

(۲) علم الاقتصاد کا دیباچہ مندرجہ' آثار اقبال صفحہ ۲۹۹ ان کے الفاظ یہ ہیں :۔

'' مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولانا شبلی نعمانی مد ظلہ بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کے بعض حصوں میں زبان کے متعلق قابل قدر اصلاح دی ۔،،

۲—فلسفۂ عجم (Development of Metaphysics in Persia) پی ۔ ایچ ۔ ڈی کے لئے یہ مقالہ لکھا گیا تھا اور ۱۹۰۸ء میں لندن کے تاجر کتب لوزیک کمپنی نے شائع کیا۔

۳—اسرار خودی۔ مشہور فارسی مثنوی جس میں اقبال نے اپنے فلسفۂ خودی کو پیش کیا ہے اور جس کی وجہ سے اقبال ایک خاص نظام فکر کے بانی قرار پائے ۔ مطبوعہ سنہ ۱۹۱۴ء۔

۴—رموز بیخودی ۔ فارسی مثنوی جس میں انہوں نے تعلیم خودی کا دوسرا رخ پیش کیا ہے اور جماعتی نظام میں فرد کو ملت میں گم ہو جانے کی تعلیم دی ہے مطبوعہ سنہ ۱۹۱۸ء۔

۵—پیام مشرق (فارسی) جرمن شاعر گوئٹے کے ''مشرقی دیوان،، کے جواب میں اشعار کا مجموعہ مطبوعۂ ۱۹۲۳ء۔

۶—بانگ درا ۔ اقبال کی اردو نظموں اور غزلیات وغیرہ کا بہترین مجموعہ جو خود مصنف نے مرتب کرکے شیخ عبدالقادر مرحوم کے مقدمہ کے ساتھ سنہ ۱۹۲۴ء میں شائع کرایا۔

۷—زبور عجم (فارسی) سنہ ۱۹۲۷ء فارسی غزلیات کا مجموعہ ۔ کہتے ہیں کہ اقبال کو اپنی تمام تصانیف میں یہ کتاب سب سے زیادہ پسند تھی۔ یہ دو حصوں میں ہے ۔ حصہ اول میں ۶۶ غزلیں ہیں اور حصہ دوم میں ۷۵۔ آخر میں گلشن راز جدید اور بندگی نامہ ہیں ۔ اول الذکر میں مسائل فلسفہ و تصوف کے متعلق سوالات کئے ہیں اور ان کے جوابات دئے ہیں ۔ ثانی الذکر میں غلامی کی مذمت اور غلاموں کے فنون لطیفہ مصوری اور آزاد مردوں کے فن تعمیر پر نظمیں ہیں۔

۸—جاوید نامہ (فارسی) سنہ ۱۹۳۲ء - افلی کے مشہور شاعر دانتے کی ڈوائن کومڈی (طربیہ' خدا وندی) کے تتبع میں لکھی گئی ہے - آخر میں ''خطاب بہ جاوید،، کے عنوان سے ان کے صاحبزادے جاوید کے نام ایک نظم ہے جس میں '' نژاد نو،، سے خطاب کیا ہے—

۹—اسلامی الہیات کی جدید تشکیل Reconstruction of Religious Thought in Islam انگریزی خطاب جو انہوں نے مدراس اور علی گڑھ میں سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء میں دئے - ایک باب کے اضافہ کے ساتھ سنہ ۱۹۳۴ء - ۷ لکچروں کا مجموعہ—

۱۰—بال جبریل (اردو) سنہ ۱۹۳۵ء - اردو میں پہلی کتاب ہے جس میں اقبال نے اپنے فلسفہ' خودی کی وضاحت کی ہے - تغزل کے لحاظ سے اردو شاعری میں بلند پایہ کتاب ہے—

۱۱—ضرب کلیم (اردو) سنہ ۱۹۳۶ء - عصر حاضر کے خلاف اعلان جنگ—

۱۲—مثنوی مسافر (فارسی) - افغانستان کی چند روزہ سیاحت پر اقبال کے شاعرانہ جذبات و ثاثرات کا مجموعہ - سنہ ۱۹۳۲ء - اس کے ساتھ مثنوی ''پس چہ باید کرد ای اقوام شرق،، بھی شریک ہے - جو انہوں نے اپنی وفات سے دو سال پیشتر لکھی تھی - یہ پانچ سو اشعار کی ایک چھوٹی سی فارسی مثنوی ہے - جو علامہ کے افکار عالیہ کا ایک صاف و شفاف آئینہ ہے - ''مولوی معنوی کی مثنوی کی طرح اس میں بھی وھی جوش وھی سوز اور وھی تخیل ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا زبان پہلوی کے قرآن کا سورۂ اخلاص ہے،،—

۱۳—ارمغان حجاز سنہ ۱۹۳۸ء - فارسی قطعات مختلف موضوعات پر - آخر میں اردو نظمیں جس میں '' ابلیس کی مجلس شوری،، بھی شامل ہے - یہ اقبال کی وفات کے بعد شائع ہوئی—

۱۴—مکاتیب (اقبال نامہ) ـ مرتبۂ شیخ عبداللہ ایم ـ اے ـ ۲ جلد ـ جلد اول میں ۲۶۷ اور جلد ۲ میں ۱۸۷ خطوط ہیں ـ مع مقدمۂ مرتب ـ اس میں اس مجموعۂ مکاتیب کے منتخب خطوط بھی شامل ہیں جو پروفیسر زور نے "شاد اقبال" کے نام سے شائع کئے تھے ـ

۱۵—شاد اقبال ـ از ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ـ صفحات ۱۷۲ + ۴۰ = ۲۱۲ سنہ ۱۹۴۲ع مطبوعۂ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد ـ اس میں مہاراجہ سر کشن پرشاد اور اقبال کے خطوط ہیں ـ

۱۶— Iqbal's Letters to Attiya Begum صفحات ۸۸ مطبوعۂ حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی ـ سنہ طباعت ندارد ـ اس میں اقبال کے انگریزی خطوط کا عکس دیا گیا ہے اور اقبال کے زمانۂ طالب علمی بمقام انگلستان و جرمنی کے حالات مع تصاویر دئے گئے ہیں ـ

۱۷—مکاتیب اقبال ـ مجموعۂ خطوط بنام محمد علی جناح (انگریزی) جو قائد اعظم مرحوم کے پیش لفظ کے ساتھ شائع ہوئے ـ

۱۸—خطبات و تقاریر ـ (انگریزی) صفحات ۲۳۹ المنار اکیڈیمی لاہور، ۱۹۴۵ع ـ مکاتیب اقبال ـ اس نام سے ایک مجموعہ ۵۰ صفحات کا حال ہی میں شائع ہوا ہے جس میں خان محمد نیاز الدین خاں رئیس جالندھر کے نام اقبال کے ۷۹ خطوط ہیں ـ جسٹس ایس ـ اے رحمن صاحب نے اس پر مقدمہ لکھا ہے اور ۱۹۵۴ع میں بزم اقبال لاہور نے شائع کیا ہے ـ

۱۹—مضامین اقبال (اردو) ـ مرتبۂ تصدق حسین تاج ـ مطبوعۂ حیدرآباد سنہ ۱۳۶۴ـ۵ـ۴ مضامین کا مجموعہ ـ جن میں سے پانچ مضامین اصل اردو کے ہیں ـ (۱) زبان اردو (۲) اردو زبان پنجاب میں (۳) قومی زندگی (۴) جناب رسالت مآب کا ادبی تبصرہ (۵) جغرافیائی حدود اور مسلمان ـ

تین مختصر دیباچے ھیں جو اسرار خودی، رموز بیخودی اور پیام مشرق کے لئے لکھے گئے - بقیہ ۶ مضامین انگریزی سے ترجمہ کئے گئے ھیں —

(۱) فلسفہ' سخت کوشی (خط بنام نکلسن)

(۲) ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر

(۳) خطبہ' صدارت مسلم لیگ اجلاس سنہ ۱۹۳۰ع

(۴) ختم نبوت

(۵) دیباچہ' مرقع چغتائی

(۶) تقریر انجمن ادبی کابل

۰ ۲—مضامین انگریزی - جو ۱۹۰۰ اور ۱۹۳۲ع کے درمیان لکھے گئے اور مختلف انگریزی رسائل میں شائع ھوئے —

1. Doctrine of Absolute Unity As Explained by 'Abdul Karim al-Jilani, Indian Antiquary, Bombay, 1900, pp. 237-246.

2. Islam and Khilafat, Sociological Review, London, 1908.

3. Political Thought in Islam, Hindustan Review, December 1910, pp. 527-532; January 1911, pp. 22-26.

4. Notes on Muslim Democracy. New Era. Allahabad, 1916.

5. Self in the Light of Relativity, Crescent, Lahore, 1925.

6. Inner Synthesis of Life, Indian Review, Madras, 1926.

7. Khushal Khan Khatak : Afghan Warrior and Poet, Islamic Culture, Hyderabad, 1921, pp. 485-499.

8. A Plea for a Deeper Study of Muslim Scientists, Islamic Culture, Hyderabad, 1929, pp. 201-209.

9. Is Religion Possible? Proceedings of Aristotalian Society, London, 1932-33.

10 McTaggart's Philosophy, Indian Arts and Letters, 1932, pp. 25-31; Reproduced in Truth, Lahore, July 1937, and Speeches and Statements of Iqbal, 1948, pp. 144-155.

11. On Corporeal Resurrection After Death, Muslim Revival, Lahore, September 1932.

تصانیف اقبال کے اقبال کی اکثر کتابوں کے ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں ترجمے اور شرحیں میں ہو چکے ہیں اور بعض کتابوں کی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

۱-اسرار خودی - سب سے پہلے اس کتاب کا انگریزی میں منظوم ترجمہ کیمبرج کے عربی کے پروفیسر رینالڈز اے نکلسن نے کیا جو سنہ ۱۹۲۰ع میں شائع ہوا - مترجم نے اس پر ایک عالمانہ اور مبسوط مقدمہ لکھا ہے، اور اقبال کی تلمیحات پر ذیلی حواشی بھی دئے ہیں - یہ ترجمہ یورپ میں اقبال کی شہرت کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور اس پر یورپ کے مقتدر علمی رسائل میں تبصرے اور تنقیدیں شائع ہوئیں -

اردو میں اس مثنوی کا ایک منظوم ترجمہ جسٹس شیخ عبدالرحمٰن نے کیا ہے جو " ترجمان اسرار " کے نام سے کاروان پریس لاہور سے ۱۹۵۲ع میں

شائع ہوا ہے۔ ۱۲۴ صفحات ہیں۔ اور اس پر ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کا ۲۸ صفحات کا مقدمہ ہے۔ ترجمہ با محاورہ، صحیح اور دلچسپ ہے۔

دوسرا منظوم اردو ترجمہ مولوی عبدالرشید صاحب فاضل جے پوری نے ترجمان خودی کے نام سے کیا ہے جو سنہ ۱۹۴۷ع میں شائع ہو چکا ہے۔

اس کا پشتو میں منظوم ترجمہ سمندر خاں سمندر نے کیا ہے۔ صفحات ۲۳۹ دیباچہ صفحہ ۲۹، ادارۂ مطبوعات، پاکستان کراچی۔

سندھی زبان میں محمد بخش واصف سندھی نے ترجمہ کیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بے نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

اسرار خودی کی شرح پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے لکھی ہے جو ۱۷۲ صفحات میں سلسلہ مطبوعات اقبال اکیڈیمی نمبر ۴ ظفر منزل تاج پورہ لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں کتاب کے مباحث پر نمبر وار بحث کی گئی ہے۔ اسرار خودی کا ترجمہ انڈونیشیا کی زبان میں مسٹر بہروم رنگ کونی نے کیا ہے جس کو وہاں کے ناشر بالائی پستک نے شائع کیا ہے (انٹروڈکشن ٹو اقبال صفحہ ۶۵)۔

۲۔رموز بیخودی۔ اردو میں اس کا منظوم ترجمہ خورشید علی صاحب مہر جے پوری نے کیا ہے جس کا کچھ حصہ ''ماہ نو،، کراچی میں شائع ہوا ہے۔

پشتو میں منظوم ترجمہ از سمندر خاں سمندر صفحہ ۲۰۲ ادارۂ مطبوعات پاکستان کراچی۔ سندھی ترجمہ از محمد بخش واصف۔
ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بے نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا ہے جو زیر طبع ہے۔

۳۔شکوہ اور جواب شکوہ۔ دونوں کا ترجمہ انگریزی نظم میں مسٹر الطاف حسین نے کیا ہے جو (Complaint and Answer) کے نام سے چھپ

گیا ہے ۔ مصر کے شاعر سعید علی شعلان نے ان نظموں کا ترجمہ عربی میں کیا ہے جو حسن الاعظمی کے مجموعہ' تراجم منظومات اقبال (فلسفہ اقبال) کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۴—پیام مشرق ۔ اس کا ترجمہ ڈاکٹر عزام بے (سفیر مصر) نے عربی نظم میں کیا ہے جو اقبال سوسائٹی کراچی کی طرف سے سنہ ۱۹۵۱ع میں شائع ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر علی گنجیلی نے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

پیام مشرق کے قطعات کا انگریزی ترجمہ پروفیسر جان آرتھر آربری نے کیا ہے جو (Tulips of Sinai) کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

جرمن زبان میں اس کے ترجمہ کا ذکر خود اقبال نے کیا ہے : ''پیام مشرق کا ترجمہ جرمن زبان میں ہو رہا ہے ۔ ارلانگن یونی ورسٹی کے پروفیسر (Hell) ہل کر رہے ہیں''(۱) یہ ترجمہ اب تک شائع نہیں ہوا۔(۲)

۵—بانگ درا ۔ اس کی کئی اردو نظموں اور غزلوں کا ترجمہ پروفیسر وی ۔ جی کرنن نے (Poems of Iqbal) کے نام سے کیا ہے جو ڈاکٹر تاثیر کے مقدمہ کے ساتھ بمبئی سے شائع ہو چکا ہے ۔ مترجم نے اقبال کی بحروں کے مطابق انگریزی اوزان اختیار کئے ہیں ۔ آخر میں خواجہ عبدالحمید صاحب کا ایک مضمون اقبال کے ارتقائے شاعری پر درج ہے۔

ڈاکٹر ایچ ۔ ٹی ۔ سورلے نے بانگ درا کی ۱۲ نظموں کا انتخاب کر کے ان کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے (۳)۔

---

(۱) اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۳۰۰

(۲) مجلہ' ورلڈ آف اسلام لنڈن ج ۳ نمبر ۳-۴

(۳) Musa Pervagans, pp.174-103, Aberdeen University Press, 1953.

۶—خضر راہ کا منظوم انگریزی ترجمہ اے۔ کیو۔ نیاز صاحب نے کیا ہے جو سنہ ۱۹۵۲ع میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔

۷—زبور عجم کی غزلوں کا منظوم ترجمہ انگریزی میں مسٹر آربری نے (Persian Psalms) کے نام سے کیا ہے جس کو لاہور کے ناشر کتب شیخ محمد اشرف نے شائع کیا ہے۔ صفحات ۱۲۷ سنہ ۱۹۴۸ع اس پر مترجم کا ۸ صفحوں کا مقدمہ ہے۔ ترجمہ اصل کے مطابق ہے۔

۸—جاوید نامہ کا ترجمہ اطالوی زبان میں روما کے مستشرق پروفیسر ایلی سونڈرو بوسانی نے (Il Poema Celeste) کے نام سے کیا ہے جو سنہ ۱۹۵۲ع میں روما سے شائع ہو چکا ہے۔

۹—خطبات۔الہیات اسلامیہ کی جدید تشکیل۔ سنہ ۱۹۳۰ع اس کا ترجمہ سید نذیر نیازی صاحب نے علامہ اقبال کے ارشاد پر اردو میں کیا ہے جو اب تک شائع نہیں ہوا۔(۱) خود اقبال نے بھی لکھا ہے کہ ''اس کا اردو ترجمہ ہو گیا ہے۔ عن قریب شائع ہو جائے گا۔'' ایک خط مورخہ ۲۲ اگست سنہ ۱۹۲۲ع میں سید سلیمان صاحب کو لکھتے ہیں :—

''میرے لکچر آکسفورڈ یونیورسٹی چھاپ رہی ہے۔ اردو ترجمہ نیازی صاحب نے ختم کر لیا ہے۔ اس کی طباعت بھی عنقریب شروع ہو گی۔''

---

(۱) سید نذیر نیازی صاحب اپنی کتاب اقبال کا مطالعہ (صفحہ ۱۱۶) میں لکھتے ہیں۔ ''سنہ ۱۹۳۰ع میں راقم الحروف نے ان انگریزی خطبات کا ترجمہ اردو میں کیا تھا لیکن حضرت علامہ کی رائے تھی کہ اردو زبان میں جدید فلسفیانہ مطالب کا ادا کرنا مشکل ہے اور نہ بھی ہو تو انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار جس ایجاز و اختصار سے کیا اس کو مد نظر رکھتے ہوئے ضروری معلوم ہوتا تھا کہ حضرت علامہ گول میز کانفرنس کی شرکت سے فارغ ہو جائیں تو ان کی زیر ہدایت ترجمے پر نظر ثانی کی جائے''۔

(اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۱۲۳)

''لکچروں کا اردو ترجمہ انشاء اللہ کیا جائے گا۔ اصطلاحات کے متعلق آپ سے مشورہ کروں گا ،،۔

(اقبال نامہ صفحہ ۱۵۹)

دیکھو خط بنام منشی محمد صالح مورخہ ۲۲ اپریل سنہ ۱۹۳۱ع (مکاتیب ح ۲ صفحہ ۲۸۸)۔

مندرجہ ذیل خطبات کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

خطبۂ اول۔ علم اور مذہبی واردات ۔ مترجمۂ میر حسن الدین صاحب بی ۔ اے اہل ابل ۔ بی (عثمانیہ) (مطبوعۂ فکر اقبال صفحہ ۱۹۱ تا ۲۲۲)۔

خطبۂ پنجم۔اسلامی تمدن کی روح ۔ مترجمۂ حافظ ضمیر الدین بی ۔ اے (جامعہ) مطبوعۂ رسالہ جوہر کا اقبال نمبر دسمبر سنہ ۱۹۲۸ع۔ صرف ۸ صفحوں کا ترجمہ ہے یعنی ۱/۳ حصہ کا۔

خطبۂ ششم۔''اسلامی ہیئت اجتماعی میں اصول حرکت ۔ مترجمۂ میر حسن الدین صاحب مطبوعۂ '' حکمت اقبال ،، مرتبۂ غلام دستگیر صاحب رشید ۔ صفحہ ۱۵۳ تا ۱۶۹۔

نیازی صاحب نے خطبات پر نہایت عمدہ اور جامع تبصرہ کیا ہے (دیکھو نیرنگ خیال کا اقبال نمبر صفحہ ۳۴۵ تا ۳۶۲) خطبات کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں پیرس کی ایک خاتون مادام ایوا مائرو وچ نے کیا ہے۔ یہی خاتون اقبال کے فلسفۂ عجم کا ترجمہ بھی فرانسیسی زبان میں کر رہی ہیں ان ترجموں کے اثنا میں اقبال کی اصل تصانیف کو سمجھنے کے لئے انہوں نے فارسی زبان کا مطالعہ شروع کر دیا ہے تاکہ وہ زبور عجم کو بھی فرانسیسی میں منتقل کر سکیں (انٹروڈکشن ٹو اقبال صفحہ ۱۷)

ڈاکٹر عبدالوھاب عزام نے اطلاع دیتے ھیں کہ مصر کے مشہور عالم اور ادیب محمود عباس خطبات کا عربی میں ترجمہ کر چکے ھیں اور وہ عنقریب شائع ھوگا۔(۱)

۱۰—ارمغان حجاز۔ عبدالرحمن طارق صاحب نے ''رموز فطرت،، کے نام سے اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا ھے۔ مطبوعہ' دین محمدی پریس لاھور سنہ ۱۹۵۰ع۔ ارمغان کی ایک نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ،، کا ترجمہ محمد اشرف صاحب نے انگریزی میں کیا ھے۔ ڈاکٹر نکلسن کے پیش لفظ اور مترجم کے طویل مقدمہ کے ساتھ یہ کتاب سنہ ۱۹۵۱ع میں لاھور سے شائع ھوئی ھے۔

۱۱—ضرب کلیم۔ ڈاکٹر عبدالوھاب عزام نے عربی میں ترجمہ کیا ھے جس کو جامع ازھر کی ثقافتی انجمن نے شائع کر دیا ھے۔

۱۲—فلسفہ عجم (Development of Metaphysics in Persia)۔ اقبال کا انگریزی مقالہ جو انہوں نے ڈاکٹر کی ڈگری کے لئے لکھا تھا اور سنہ ۱۹۰۸ع میں لندن سے شائع ھوا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ مصنف کی اجازت سے میر حسن الدین صاحب نے کیا تھا جو فلسفہ' عجم کے نام سے شائع ھو چکا ھے۔

اس مقالہ کا ترجمہ جرمن زبان میں بھی شائع ھو چکا ھے(۲)

اقبال کی غیر مطبوعہ تصانیف

مندرجہ' بالا تصانیف کے علاوہ اقبال کی چند اور تصانیف بھی ھیں جن کی اشاعت نہیں ھوئی :—

۱—تاریخ عالم (جرمن زبان میں) اس کے متعلق عطیہ بیگم فیضی نے لکھا ھے کہ اقبال نے یہ کتاب چار جولائی کو سنہ ۱۹۰۷ع میں ختم کی جو انہوں

---

(۱) محمد اقبال، سیرتہ و شعرہ و فلسفہ ص ۱۲۳
(۲) خطوط اقبال مرتبہ' عطیہ بیگم

نے جرمن زبان کے امتحان کے لئے لکھی تھی (خطوط اقبال صفحہ ۹۱) —

۲—رسالہ' اجتہاد ۔ اس کے متعلق اقبال فرماتے ہیں :—

''میں نے ایک رسالہ اجتہاد پر لکھا تھا مگر چونکہ میرا دل بعض امور کے متعلق خود مطمئن نہیں اس واسطے اس کو اب تک شائع نہیں کیا،، (خط مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۲۶ء بنام سید سلیمان، اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۱۴۳) اس رسالہ کے متعلق ایک اور خط مورخہ ۷ اپریل ۱۹۲۶ء میں سید صاحب کو لکھتے ہیں :—

''عبارت کے متعلق کوئی ترمیم و تنسیخ میرے پیش نظر نہیں ہے ۔ بلکہ میں نے اپنے مضمون اجتہاد میں ان کی ازلیت و ابدیت پر دلائل قائم کرنے کی کوشش کی ہے ۔ ہاں، معاملات کے متعلق بعض سوالات دل میں پیدا ہوتے ہیں ۔ اس ضمن میں چونکہ شرعیت احادیث (یعنی وہ احادیث جس کا تعلق معاملات سے ہے) کا مشکل سوال پیدا ہو جاتا ہے ۔ ابھی تک میرا دل اپنی تحقیقات سے مطمئن نہیں ہوا ۔ اس واسطے وہ مضمون شائع نہیں کیا گیا — ،،

اقبال نے اجتہاد پر یہ مضمون انگریزی میں لکھا تھا اور مولوی عبدالماجد دریابادیؒ کو بھیج کر اس پر ان کی رائے طلب کی تھی ۔ وہ اس کی مخالفت میں تھی جیسا کہ ان کے نام کے خط مورخہ ۲۲ مارچ سنہ ۱۹۲۵ء سے ظاہر ہوتا ہے—

''آپ کا نوٹ پڑھ کر مجھے تعجب معلوم ہوتا ہے عدیم الفرصتی کی وجہ سے آپ نے وہ مضمون بہت سرسری نظر سے دیکھا ہے ۔ بہر حال میں آپ کا خط زیر نظر رکھوں گا ۔ مضمون کا مسودہ ارسال فرمائیے،، (اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۲۳۸) ۔ اس مضمون کے متعلق صوفی غلام مصطفیٰ صاحب تبسم کو (خط مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء) لکھتے ہیں—

"کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پر ایک مضمون لکھا تھا۔ مگر دوران تحریر میں اس کا احساس ہوا کہ یہ مضمون اس قدر آسان نہیں جیسے میں نے ابتدا میں تصور کیا تھا۔ اس پر تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ صورت میں وہ مضمون اس قابل نہیں کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں، کیوں کہ بہت سی باتیں جن کو مفصل لکھنے کی ضرورت ہے، اس مضمون میں نہایت مختصر طور پر محض اشارۃً بیان کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اسے آج تک شائع نہیں کیا۔ اب میں انشاء اللہ اسے ایک کتاب کی صورت میں منتقل کرنے کی کوشش کروں گا۔ جس کا عنوان یہ ہوگا:۔

Islam as I understand it

مقصود یہ ہے کہ کتاب کا مضمون میری ذاتی رائے تصور کیا جائے جو ممکن ہے غلط ہو (اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۴۷)۔

مسئلہ اجتہاد پر اقبال کے افکار و خیالات کی روشنی میں بشیر احمد صاحب ڈار نے ایک عمدہ مضمون لکھا ہے جو مجلۂ بزم اقبال (اکتوبر ۱۹۵۳ء) میں شائع ہوا ہے۔ اس میں علامہ کی تحریروں کے اقتباسات دے کر ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔

۳۔خطبات لندن۔ اسلامی مسائل پر اقبال کے وہ لیکچر جو انہوں نے قیام لندن کے زمانے میں دئے۔

۴۔انگریزی خطوط۔ اقبال کے انگریزی خطوط کی خاصی تعداد معلوم ہوتی ہے۔

کئی انگریزی خطوط کے ترجمے مکاتیب اقبال میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ کئی خطوط ہیں جو اب تک اشاعت پذیر نہیں ہوئے۔

مجوزہ تصانیف

اقبال کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ چند خاص موضوعات پر وہ لکھنا چاہتے تھے ۔ لیکن ان کی طویل علالت اور گوناگوں مصروفیات نے اس کی مہلت نہ دی ۔ اس طرح ان کی ''بسے گفتنیہا کہ ناگفتہ ماند،، سے ہم محروم ہو گئے ۔ تاہم اقبالیات کے سلسلہ میں ان کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

۱—دل و دماغ کی سرگزشت ۔ اس کے متعلق مولانا سید سلیمان کے نام خط مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں لکھتے ہیں۔

''میں اپنے دل و دماغ کی سرگزشت بھی مختصر طور پر لکھنا چاہتا ہوں اور یہ سرگزشت کلام پر روشنی ڈالنے کے لئے نہایت ضروری ہے ۔ مجھے یقین ہے جو خیالات اس وقت میرے کلام اور افکار کے متعلق لوگوں کے دلوں میں ہیں اس تحریر سے ان میں بہت انقلاب پیدا ہوگا ،، (۱)

عشرت رحمانی صاحب کے نام خط مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۱۹ء میں لکھتے ہیں :—

'' خیالات کا تدریجی انقلاب البتہ سبق آموز ہوسکتا ہے ۔ اگر کبھی فرصت ہو گئی تو لکھوں گا ۔ فی الحال اس کا وجود محض عزائم کی فہرست میں ہے،، ۔ (۲) اقبال کے ذہنی ارتقا پر ان کے کلام اور مختلف تحریروں کی روشنی میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے ۔ اس سلسلہ میں پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد کا ایک مضمون شائع ہو چکا ہے جو معلومات پر مشتمل ہے (۳) —

---

(۱) مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۱۰۹ (۲) مکاتیب اقبال حصہ اول صفحہ ۴۲۶ (۳) رسالہ اردو کا اقبال نمبر ص ۲۲۵ تا ۲۵۸ ۔

۲—اسلامی اصول فقہ ۔ اس کے متعلق مولانا سید سلیمان کو لکھتے ھیں :۔

''میرا مقصود یہ ھے کہ زمانۂ حال کے جورس پروڈنس کی روشنی میں اسلامی معاملات کا مطالعہ کیا جائے مگر غلامانہ انداز میں نہیں بلکہ ناقدانہ انداز میں'' (۱) ۔

پھر انہی کے نام مورخۂ ۷ اگست سنہ ۳۶ع میں تحریر فرماتے ھیں :۔

''انشاء اللہ موسم سرما میں وہ انگریزی کتاب لکھنا شروع کروں گا جس کا وعدہ میں نے اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال سے کر رکھا ھے ۔ اس کتاب میں زیادہ تر قوانین اسلام پر بحث ھوگی'' (۲)

معلوم ھوتا ھے کہ اس موضوع پر لکھنے کا خیال ضعف بصارت کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ۔ چنانچہ خواجہ غلام السیدین کے نام مورخہ ۱۱ ستمبر سنہ ۱۹۳۷ع میں ضعف بصارت کا ذکر کرتے ھوئے لکھتے ھیں :

''اسلامی اصول فقہ کے متعلق ایک کتاب لکھنے کا ارادہ تھا ۔ لیکن اب یہ امید موھوم معلوم ھوتی ھے'' (۳)

۳—حواشی قرآن مجید ۔ اس کتاب کا نام Introduction to the Study of Qur'an ھے ۔ جیسا کہ عبدالرشید طارق صاحب نے اپنے مضمون ''مئے شبانہ'' میں اقبال کی زبانی لکھا ھے :۔

''ذرا صحت اچھی ھو تو لکھنا شروع کروں گا ۔ چاھتا ھوں کہ کوئی پڑھا لکھا وسیع النظر اور صحیح المشرب فاضل دیو بند میسر آ جائے، مجھے حوالہ جات تلاش کرکے دیتا رھے اور لکھتا جائے ۔ انگریزی سے واقف ھو تو نہایت

---

(۱) مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۱۴۸
(۲) مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۱۹۹
(۳) مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۲۰۰

ھی اچھی بات ھے ۔ میں تنخواہ بھی دینے کو تیار ھوں ۔ ایک بار کتاب شروع کی تو انشاء اللہ اسلام کے بارے میں یورپ کی تمام (Theories) کو توڑ پھوڑ کر رکھ دوں گا ۔ ارادہ ھے کہ قانون کی تمام کتابیں بیچ کر فقہ، حدیث اور تفاسیر خرید کروں ۔ یہ اب میرے کس کام کی ھیں،، (۱) قرآن کریم پر عہد حاضر کے افکار کی روشنی میں حواشی لکھنے کا ارادہ بھی غالباً علالت اور بے سر و سامانی کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ۔ سر راس مسعود کے نام خطوط میں اس کے متعلق لکھتے ھیں :—

''میں قرآن کریم پر عہد حاضر کے افکار کی روشنی میں اپنے وہ نوٹ تیار کر لیتا جو عرصے سے میرے زیر غور ھیں ۔ لیکن اب تو نا معلوم کیوں ایسا محسوس کرتا ھوں کہ میرا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ھو سکے گا ۔ اگر مجھے حیات مستعار کی بقیہ گھڑیاں وقف کر دینے کا سامان میسر آئے تو میں سمجھتا ھوں قرآن کریم کے ان نوٹوں سے بہتر میں کوئی پیشکش مسلمانان عالم کو نہیں کر سکتا ،،— (۲)

پھر خط مورخہ ۳۰ مئی سنہ ۱۹۳۵ع میں لکھتے ھیں :—

''چراغ سحر ھوں بجھا چاھتا ھوں ۔ تمنا ھے مرنے سے پہلے قرآن کریم سے متعلق اپنے خیالات قلم بند کر جاؤں ۔ جو تھوڑی سی ھمت اور طاقت ابھی مجھ میں باقی ھے اسے اسی خدمت کے لئے وقف کر دینا چاھتا ھوں ۔ تاکہ (قیامت کے دن) آپ کے جد امجد (حضور نبی کریمؐ) کی زیارت مجھے اس اطمینان خاطر کے ساتھ میسر ھو کہ اس عظیم الشان دین کی جو حضور نے ھم تک پہنچایا کوئی خدمت بجا لا سکا،،—(۳)

---

(۱) ملفوظات ص ۲۲۶
(۲) مکاتیب ح ۱ ص ۳۵۸
(۳) مکاتیب ح ۱ ص ۳۶۲

۴—رامائن اردو میں ۔ سر کشن پرشاد کو ایک خط میں لکھتے ہیں :—

"میرا ارادہ رامائن کو اردو میں لکھنے کا ہے۔ مسیحی جہانگیری نے رامائن کے قصے کو فارسی میں نظم کیا ہے ۔ افسوس ہے وہ مثنوی کہیں سے دستیاب نہ ہوئی ۔ اگر سرکار کے کتب خانہ میں ہو تو کیا چند روز کے لئے عاریۃً مل سکتی ہے ۔ میرے خیال میں اس کا تتبع کرنا بہتر ہوگا ،، (۱)

۵—تصوف کی تاریخ ۔ اس کے متعلق اکبر الہ آبادی کے نام خط مورخہ ۲۷ جنوری سنہ ۱۹۱۶ع میں لکھتے ہیں :—

"علامہ ابن جوزی نے جو کچھ تصوف پر لکھا ہے اس کو شائع کر دینے کا قصد ہے ۔ اس کے ساتھ تصوف کی تاریخ پر ایک مفصل دیباچہ لکھوں گا انشاء اللہ ۔ اس کا مسالہ جمع کر لیا ہے ۔ منصور حلاج کا رسالہ طواسین فرانس میں نہایت مفید حواشی کے ساتھ شائع ہو گیا ہے ۔ دیباچے میں اس کتاب کو استعمال کروں گا،،(۲)

دوسرے خط مورخہ ۴ فروری سنہ ۱۹۱۶ع میں ان ہی کو لکھتے ہیں :—

"میں تصوف کی تاریخ پر ایک مبسوط مضمون لکھ رہا ہوں جو ممکن ہے ایک کتاب بن جائے ،، ۔(۳)

"تاریخ تصوف سے فارغ ہو لوں تو تقویت الایمان کی طرف توجہ کروں۔ فی الحال جو فرصت ملتی ہے وہ اس مضمون کی نذر ہو جاتی ہے ۔ افسوس کہ

---

(۱) مکاتیب ح ۱ ص ۱۹۷
(۲) مکاتیب حصہ دوم ص ۵۰ (۳) مکاتیب حصہ دوم ص ۵۲

ضروری کتب لاهور کے کتب خانوں میں نہیں ملتیں ۔ جہاں تک ہو میں نے تلاش کی ہے ۔ آپ اس مضمون کو پڑھ کر خوش ہوں گے،،—(۱)

مولانا اسلم جیراجپوری کے نام ایک خط مورخہ ۱۷ مئی سنہ ۱۹۱۰ع لکھتے ہیں :—

''میں نے ایک تاریخ تصوف کی لکھنی شروع کی تھی مگر افسوس کہ مہ نہ مل سکا اور ایک دو باب لکھ کر رہ گیا ،،(۲)—

۶—ایک فراموش‌شدہ پیغمبر کی کتاب ۔ ڈاکٹر تاثیر کا بیان ہے اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر انگریزی میں ایک نظم شعر منثور لکھنا چاہ تھے جو اگر مکمل ہوتی تو ایک بین الاقوامی چیز ہوتی ۔ اگرچہ ان کا کہ بڑا شاهکار نہ سہی ۔ وہ اس کا نام The Book of a Forgotten Prophet) رکھنا چاہتے تھے اور وہ انجیل مقدس کے عہد عطیق اور نیٹھ کی کتاب '' بقول زردشت،، کے ادبی اسالیب پر ہوتی (۳)—

۷—اردو نظموں کا مجموعہ ۔ ان کے مکتوب مورخہ ۶ دسمبر سنہ ۱۹۳۴ بنام محمد جمیل (۴) اور سید نذیر نیازی کے بیان سے (۵) معلوم ہوتا ہے کہ اقبال اپنی چیدہ نظموں کے ایک الگ مجموعے کی اشاعت کا ارادہ رکھتے تھے یہ مجموعہ بھی شائع نہ ہو سکا—

اب تک اقبالیات کے سلسلہ میں صرف ان تصانیف اور تحریرات کا ذکر کیا گیا جو اقبال کی تمام حیثیات پر مجموعی طور سے لکھی گئی ہیں لیکن

---

(۱) مکاتیب حصہ ذوم ص ۵۸ (۲) اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۵۴

(۳) Aspects of Iqbal, Introduction XIX

(۴) مکاتیب ح ۲ ص ۹۸ (۵) اقبال کا مطالعہ از نذیر نیازی ص ۱۶

اقبالیات کا تنقیدی جائزہ

الیات،، کے وسیع لٹریچر کا تنقیدی جائزہ لینے کے لئے ضروری اور مناسب م ہوتا ہے کہ اقبال سے متعلق جو تحریرات پائی جاتی ہیں ان پر ان کی ، حیثیات کے تحت ترتیب وار تفصیلی نظر ڈالی جائے تاکہ ان کی صحیح ، قیمت کا اندازہ ہو سکے۔

یف اقبال اقبال کی تصانیف کی اہمیت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات تبصرے سے ہو سکتا ہے کہ ان پر مشرق اور مغرب کے نامور اہل علم تبصرے کئے ہیں اور ان کی قدر و قیمت ظاہر کی ہے ۔ اس قسم کے چند اور اہم تبصروں کا تذکرہ یہاں بیجا نہ ہوگا۔

۱—اسرار خودی ۔ اس کتاب کے متعلق خود علامہ اقبال کا بیان ہے کہ نوں کتابیں (اسرار و رموز) سنہ ۱۹۱۵ع اور ۱۹۱۸ع میں شائع ہوئیں۔ وقت سے لے کر اس وقت تک سینکڑوں مضمون ان کے مطالب کی تشریح لکھے گئے ہیں،، (۱) —

۱—مولانا اسلم جیراجپوری نے رسالہ' الناظر بابت فروری سنہ ۱۹۱۹ع میں پر ایک تبصرہ کیا تھا جو نظر ثانی کے بعد رسالہ جوہر کے اقبال نمبر ، ۱۱۷ تا ۱۳۱) میں دوبارہ شائع ہوا ۔ اس میں مولانا نے ان اعتراضات واب بھی دیا ہے جو بعض مخالفین نے اس مثنوی پر کئے تھے ۔ خود اقبال بھی اس تبصرہ کو پسند فرمایا تھا۔

۲—رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ بابت اگست سنہ ۱۹۳۱ع میں، جو سردار لندر سنگھ کی ادارت میں شائع ہوتا تھا، ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم یک تبصرہ اسرار و رموز دونوں پر شائع ہوا تھا ۔ یہ علامہ اقبال کی نظر

---

(۱) مکاتیب ج ۲ ص ۲۳۹

سے بھی گزرا تھا جس میں انہوں نے تعریف کی ہے کہ "نہایت قابلیت
لکھا ہے" (۱) - اس تبصرہ کا اردو ترجمہ جناب مالک رام صاحب ایم -
نے کیا ہے جو نیرنگ خیال کے اقبال نمبر (ص ۱۲۰ تا ۱۳۱) میں
ہو چکا ہے -

۳—رسالہ زمانہ بابت ستمبر ۱۹۱۸ع میں بھی اس پر ایک تبصرہ
ہوا تھا جو اقبال کی نظر سے بھی گزرا تھا -

۴—پروفیسر براؤن نے اسرار خودی کے انگریزی ترجمہ پر ایک تبصرہ
تھا جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے سہ ماہی مجلہ میں سنہ ۱۹۲۱ع
شائع ہوا -

۵—مسٹر ای - ایم فارسٹر نے بھی اسرار خودی کے ترجمہ پر ایک تب
لکھا تھا جو لندن کے اخبار ایتھنیم میں ۱۹۲۱ع میں شائع ہوا - اس کا ا
ترجمہ رسالہ معارف بابت جون سنہ ۱۹۲۱ع میں چھپ گیا ہے - اس
متعلق سجاد علی انصاری لکھتے ہیں : -

"ڈاکٹر اقبال پر فارسٹر صاحب کا ریویو مغربی تنقید کی گمراہیوں کی
مثال ہے - ناقد پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ شعر کو صحیح طو
سمجھے یا شاعر کو - انصاف پسندی بس یہی چاہتی ہے کہ تعریف اور مذ
ساتھ ساتھ ہو" (۲)

۶—کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر ڈکنسن کا تبصرہ جو لندن کے ا
نیشن میں شائع ہوا اس کا اردو ترجمہ معارف ستمبر سنہ ۱۹۲۱ع میں چ

---

(۱) مکاتیب ح ، ص ۶۹-

(۲) محشر خیال ص ۶۱ ، شرکت ادبیہ علی گڑھ ۱۹۱۶ع -

ھے ۔ خود اقبال نے بھی اس کی تعریف کی ھے اور اس کو ''سب سے زیادہ سپ،، بنایا ھے—

اسرار خودی پر یورپین تبصرہ نگاروں کو نیٹشے اور اقبال کے بعض ظاھری لات سے مماثلت دیکھ کر غلط فہمی ھوئی ۔ اس پر خود اقبال نے ایک سل خط پروفیسر نکلسن کے نام لکھا تھا جو انگلستان کے مشہور فلسفیانہ لہ (Quest) میں شائع ھوا تھا ۔ اس کا اردو ترجمہ رسالہ معارف اکتوبر ، ۱۹۲۱ع.میں چھپا ھے—

ے—نکلسن کے انگریزی ترجمے پر اٹلی کے ایک عالم اے بونوچی A. Bonuc) نے اطالوی زبان میں تبصرہ کیا تھا جو اٹلی کے ایک فلسفیانہ لہ Revist trim estrale studi Filosofia سنہ ۱۹۲۱ع ، جلد ص ۲۲۳ - ۲۲۵ میں (e religioi Perugia) شائع ھوا ۔ اس میں ال کی بڑی تعریف کی گئی ھے—

۲—رموز بیخودی ۔ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری کے تبصرہ کا ذکر اسرار خودی تحت میں آ چکا ھے ۔ رسالہ' معارف میں مولانا سید سلیمان نے اس پر تبصرہ ا تھا ۔ خود اقبال نے بھی اسے پسند کیا (۱) اسی طرح پروفیسر رشید احمد یقی نے ''آثار اقبال،، (۲) میں رموز بیخودی پر ایک مفصل مضمون لکھا ، جس میں کتاب مذکور پر تبصرہ کیا ھے—

۳—بانگ درا ۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے اس کتاب پر ایک

) مکاتیب اقبال

) صفحہ ۲۱۳ تا ۲۶۰

جامع تبصرہ کیا ہے اور اقبال کی اردو شاعری کی خوبیاں دکھاتے ہوئے ان کی بعض نظموں کی تنقید کی ہے (۱)

۴—پیام مشرق ۔(۱) ڈاکٹر نکلسن پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی نے اس کتاب پر رسالہ اسلامیکا (جرمنی) میں تبصرہ لکھا جس کا اردو ترجمہ نیرنگ خیال کے عید نمبر سنہ ۱۹۲۵ع میں شائع ہو چکا ہے اور اقبال نمبر (ص ۳۱۴-۳۲۷) میں بھی دوبارہ چھپا ہے—

(۲) ڈیوش روسو (Deutsch Russu) نے پیام مشرق کے مقدمہ کا جرمنی زبان میں ترجمہ کیا اور پیام مشرق کی غرض و غایت کو واضح کیا—

(۳) ڈاکٹر فشر (پروفیسر لپزگ یونیورسٹی) اڈیٹر اسلامیکا نے جرمن زبان میں اس پر تبصرہ لکھا اور اقبال کا گوئٹے سے مقابلہ کیا—

(۴) آغا ہادی حسن صاحب وزیر تجارت نے جو پہلے انگلستان میں افغانستان کے سفیر تھے "امان افغان"، (کابل) میں پیام مشرق پر تبصرہ کے طور پر مضامین کا ایک سلسلہ تحریر کیا تھا جو کئی نمبروں میں چھپا (۲)

۵—جاوید نامہ ۔ اس پر ایک مفصل تبصرہ نیرنگ خیال کے اقبال نمبر (۳) میں چودھری محمد حسین مرحوم نے لکھا تھا(۴)۔ اس نمبر میں (ص ۱۵۸ تا ۱۶۸) جاوید نامہ پر مولانا اسلم کا بھی ایک تبصرہ شامل ہے ۔ مولانا

---

(۱) تنقیدات عبدالحق مرتبہٗ محمد تراب علی خان ص ۵۰ تا ۸۵ شمس الاسلام پریس حیدرآباد ۱۹۳۴ع

(۲) نیرنگ خیال اقبال نمبر ۲۰۱-۲۳۵

(۳) ص ۲۰۱ - ۲۳۵

(۴) حکمت اقبال ص ۳۱۱

عبدالماجد دریابادی نے ''حکمت جاوید،، کے عنوان سے جاوید نامہ کے مضامین کی نہایت عمدہ تشریح کی ہے۔ (۱)

۶—پس چہ باید کرد ۔ اس مثنوی پر پروفیسر سید نواب علی نے تبصرہ کیا ہے اور اس کے مطالب کا خلاصہ لکھا ہے۔ زبان میں خاصہ ادبی رنگ ہے جو سید صاحب کی تحریر کا امتیازی وصف ہے ۔ کہیں کہیں تفسیری جملے بھی لکھے ہیں۔ (۲)

۷—خطبات (اسلامی الہیات کی جدید تشکیل (۳) ڈاکٹر اسپرنگلنگ (Dr. Sprengling) نے شکاگو (امریکہ) کے رسالہ (Christendom) سنہ ۱۹۳۶ء میں اس کتاب پر ایک مضمون لکھا ہے ۔ جس میں اقبال کو بلند پایہ مفکر اور مذہبی فلاسفر بتایا ہے۔

اس کتاب پر سید نذیر نیازی صاحب کا عمدہ تبصرہ نیرنگ خیال کے اقبال نمبر (۴) میں چھپ گیا ہے ۔ مولوی عبدالسلام خاں ندوی رامپوری نے اس کتاب کا ایک مختصر خاکہ تیار کیا ہے جو ایک مجموعہ' مضامین ''اقبال پر ایک نظر،، (۵) میں شائع ہو چکا ہے۔

سیرت اقبال اقبال کی سیرۃ، یعنی حالات و سوانح زندگی پر اقبالیات میں کافی معلومات بکھری ہوئی ہیں ۔ خصوصا ان کے مکاتیب اور ہم نشینوں کے مرتب کردہ ملفوظات میں بکثرت مواد موجود ہے ۔ لیکن

---

(۱) حکمت اقبال نمبر ص ۱۵۸ ۔ ۱۶۶

(۲) یہ نام خود اقبال کا رکھا ہوا ہے (دیکھو مکاتیب اقبال ح ص ۳۸۸)

(۳) ص ۳۴۵ - ۳۶۲

(۴) ص ۳۷ تا ۱۱۱ (۵) ص ۳۷ تا ۱۱۱

اب تک کوئی جامع کتاب اس موضوع پر نہیں لکھی گئی ۔ حالی کی ''حیات جاوید،، نہ سہی کم از کم سید سلیمان کی ''حیات شبلی،، کے پایہ کی بھی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جو اس نامور حکیم و شاعر اور فقیدالمشرق کے پورے حالات و سوانح پر مشتمل ہو ۔ اگرچہ اقبال کی وفات سے لے کر اب تک اقبال کی مختلف حیثیات پر سیکڑوں مضامین اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں ۔ لیکن اہم کام کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے ۔ ابو طاہر صاحب فاروقی کی ''سیرۃ اقبال،، اس سمت میں پہلی کوشش کہی جا سکتی ہے ۔ یہ کتاب قومی کتب خانہ لاہور نے سنہ ۱۹۳۹ع میں شائع کی ہے اور اب تک اس کے تین ایڈیشن نکل چکے ہیں ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیرۃ اقبال کی کتنی مانگ رہی ہے ۔ ۵۰۰ صفحے کی اس کتاب میں اقبال کی تمام حیثیات دکھانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس وقت تک اقبال پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا اکثر حصہ مؤلف کے پیش نظر تھا ۔ اس کے باوجود اس کو مکمل سیرۃ نہیں کہا جا سکتا ۔ اور نہ اس میں وہ جامعیت پائی جاتی ہے جس کی ایسی کتاب سے توقع کی جا سکتی ہے ۔ اس میں زیادہ حصہ اشعار اور منقولات کا ہے ۔ اقتباسات اور واقعات کے لئے اکثر حوالے نہیں دئے گئے ۔ ترتیب عام تذکروں کی سی ہے اور اقبال کی خصوصیات پر سرسری طور سے اظہار خیال کیا گیا ہے ۔ دوسری کتاب ''حیات اقبال،، ۱۵۰ صفحات کا ایک مختصر کتابچہ ہے جو تاج کمپنی نے شائع کیا ہے ۔ اس کا مقصد عوام سے اقبال کا مختصر تعارف کرانا ہے ۔ اس لئے زبان بھی سیدھی سادی، سلیس اور تعلیمی اختیار کی گئی ہے جو مدارس کے طلبا کے لئے موزوں ہے ۔ سیرۃ اقبال پر انگریزی میں اب تک دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں ایک عبداللہ انور بیگ کی کتاب (The Poet of the East) ہے جو ۳۲۵ + ۲۷ صفحات پر قومی کتب خانہ لاہور نے سنہ ۱۹۴۰ع میں شائع کی ہے ۔ اس پر ڈاکٹر نکلسن کا پیش لفظ ہے اور جے ۔ سی روم نے اس کا مقدمہ لکھا ہے ۔ اس میں اقبال کے سوانح

اور ان کی تصانیف اور تعلیمات کا ذکر ہے ۔ دوسری کتاب اقبال سنگھ صاحب کی (The Ardent Pilgrim) (پر شوق زائر) ۲۴۶ صفحات کی ہے اور لندن کی لانگ مین گرین کمپنی نے سنہ ۱۹۵۱ع میں شائع کی ہے ۔ اس میں حیات اقبال کے علاوہ ان کے اجتماعی، سیاسی اور فلسفیانہ خیالات کا ارتقا دکھایا گیا ہے ۔ اقبال نامہ (مرتبہ' چراغ حسن حسرت) میں جو رسالہ' شیرازہ لاہور کے اقبال نمبر کی طبع ثانی ہے، اکثر مضامین اقبال کی سیرۃ کے لئے نہایت کارآمد ہیں ۔ مثلاً ڈاکٹر اقبال، علی بخش کی زبانی ۔ ملفوظات اقبال از نذیر نیازی ، ڈاکٹر اقبال سے آخری ملاقات از احمد ندیم ۔ اقبال کی موت از ڈاکٹر تاثیر ۔ ان مضامین سے سیرۃ اقبال کے لئے کافی مواد ہاتھ آتا ہے ۔ اس کے علاوہ ملفوظات مرتبہ' محمود نظامی میں تقریباً سب کے سب مضامین سیرۃ اقبال سے متعلق ہیں ۔ البتہ اس میں دیے ہوئے تمام حالات و واقعات پر کہیں کہیں افسانوی رنگ چڑھ گیا ہے اور بعض امور تصدیق طلب ہیں جن کو روایت کی روشنی میں طے کیا جا سکتا ہے ۔ منشی محمد دین فوق کشمیری نے اقبال کے مختصر سوانح حیات لکھے ہیں جو سنہ ۱۹۳۲ع میں نیرنگ خیال کے اقبال نمبر میں شائع ہو چکے ہیں ۔ اس میں بھی سیرۃ اقبال کے لئے بعض ضروری مواد مل سکتا ہے ۔ اسی طرح پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اقبال کی وفات پر ایک مضمون لکھا تھا جو ان کی کتاب "گنجہائے گرانمایہ،، (صفحہ ۱۷۳ تا ۱۹۹ مطبوعہ' ریاض ہند پریس علی گڑھ سنہ ۱۹۳۲ع) میں شامل ہے ۔ اس میں بھی اقبال کی شخصیت اور سیرۃ کے بعض دلچسپ پہلو سامنے آجاتے ہیں ۔ اپنے مضمون کے آخر میں انہوں نے اقبال کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا ہے :—

"اگر انگریز قوم کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ برطانوی سلطنت سے محروم ہونا پسند کرے گی، لیکن شیکسپیر کو چھوڑنا گوارا نہ کرے گی،

تو میرا خیال ھے کہ ھندوستان کے مسلمان بھی گراں سے گراں قیمت پر اقبال سے جدا ھونا پسند نہیں کریں گے ،،—

مولوی عبدالسلام صاحب ندوی نے اپنی قابل قدر کتاب '' اقبال کامل،، میں اقبال کے حالات و سوانح، اخلاق و عادات وغیرہ پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ھے اور ان کے کلام اور خطوط سے سیرۃ اقبال کے متعلق کئی جزئیات جمع کر دئے ھیں۔ یہ کتاب دارالمصنفین اعظم گڑھ سے سنہ ۱۹۴۸ع میں شائع ھو چکی ھے۔ حیات اقبال ایسی لکھی جانی چاھئے جو علمی ادبی اور تاریخی اعتبار سے بہت بلند پایہ اور اقبال کی سیرۃ کے تمام پہلوؤں پر حاوی ھو۔ اقبال کی سیرۃ پر قلم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں ھے اور نہ یہ ھر کسی کے بس کی بات ھے۔ اقبال کی زندگی کے کئی واقعات ایسے ھیں جو اب تک قلمبند نہیں ھوئے۔

ان کے دوستوں اور شناساؤں نے یوں تو ان کے متفرق واقعات و خیالات بہت کچھ جمع کر دئے ھیں لیکن ان کے مستند اور معتبر سوانح و افکار قلمبند کرنے کے لئے یہ مواد کافی نہیں ھے اور اس کے لئے مزید تلاش و جستجو کی ضرورت ھے۔ اس کے متعلق ان کے ایک سوانح نگار اقبال سنگھ صاحب لکھتے ھیں—

'' اقبال پر روز افزوں تحریرات و تصانیف کے باوجود یہ امر تعجب خیز ھے کہ ھم ان کے متعلق کس قدر کم جانتے ھیں، ان کے Career سے متعلق معتبر مآخذ کی کمی ھے۔ یہاں تک کہ ان کی زندگی کے عمومی واقعات مثلاً شادی، تین بیویوں اور بچوں کے ساتھ ان کے تعلقات کی مستند تفصیلات بتانا مشکل ھے۔ ان کے حالات زندگی سے متعلق بہت سا مواد اب تک ذاتی ملکیت بنا ھوا ھے۔ اگرچہ اپنے دوستوں کے نام ان کے خطوط شائع ھو چکے ھیں لیکن ابھی بہت سے خانگی خطوط الماریوں میں بند ھیں اور

ان کے مداحوں نے ان کو جمع کرکے مربوط اور مسلسل طریقہ سے پیش کرنے کی باقاعدہ کوشش نہیں کی۔ لہذا اب تک ان کی ایک مبسوط اور مفصل سوانح عمری کا زمانہ نہیں آیا اور ایک باہر کے آدمی کے لئے ان کے کارنامہ کا تفصیلی تجزیہ کرنا نہ صرف قیاس آرائی ہوگی بلک ایک ناممکن ذمہ داری کو اپنے سر لینے کے برابر ہوگا،،۔

سوانح اقبال کی اہمیت کے متعلق حسرت صاحب دیباچہ' اقبال نامہ میں لکھتے ہیں :۔

''میرے نزدیک کلام اقبال کی تنقید اور اس کے فلسفہ کی شرح تو خود ان کی زندگی میں ہوتی رہی ہے اور آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ زیادہ اہم کام تو یہ ہے کہ مرحوم کے سوانح حیات ان کے خیالات و عادات کے متعلق جو جو باتیں معلوم ہو سکیں انہیں یکجا کر دیا جائے۔

''آج سینکڑوں آدمی ایسے موجود ہیں جنہیں مرحوم کی خدمت میں بار بار حاضر ہونے کا موقع ملا ہے۔ ان کے علاوہ مرحوم کے خاص احباب بھی جن کی نظروں سے ان کی زندگی کا کوئی پہلو چھپا ہوا نہیں ، ان لوگوں کو مرحوم کی زندگی کے واقعات، ان کی خاص خاص صحبتوں کے حالات، مختلف سیاسی اور علمی مسائل پر ان کی بحثیں آج تک اس طرح یاد ہیں گویا یہ سارے واقعات ابھی کل گزرے ہیں۔ لیکن یہ اندیشہ ہے کہ اگر انہیں قلمبند نہ کر لیا گیا تو عرصہ کے بعد بہت سی باتیں ذہن سے اتر جائیں گی۔

'' مجھے یقین ہے کہ اگر علامہ مرحوم کے ملفوظات جمع کرکے شائع کر دئے جائیں تو لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اقبال جسے دنیا صرف شاعر کی حیثیت سے جانتی ہے کتنا جامع حیثیات شخص تھا۔ اس قسم کے مجموعے سے لوگوں کو صرف علامہ اقبال کا رتبہ پہچاننے میں ہی مدد نہیں ملے گی

بلکہ ان کا کلام سمجھنے میں بھی آسانی ہوگی۔،،

اسی کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کے خاص دوست اور مشیر چودھری محمد حسین صاحب اقبال کے سوانح حیات مرتب کر رہے تھے۔ نہیں معلوم یہ لکھے گئے یا نہیں اور لکھے گئے تو چھپے ہیں یا نہیں۔ بصورت آخر اس کتاب کی اشاعت ضروری ہوگی۔

معلوم ہوا ہے کہ پروفیسر حمید احمد خاں اقبال کے سوانح اور تصانیف پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔

''اقبال کی زندگی،، کے عنوان سے خلیفہ عبدالحکیم صاحب کا ایک مضمون آثار اقبال مرتبہٗ غلام دستگیر صاحب رشید (ص ۱۷ - ۳۴) میں شائع ہوا ہے۔ جس میں بعض باتیں کارآمد ہیں۔ ''اقبال کے علمی جواہر ریزے،، از خواجہ عبدالحمید، ''ڈاکٹر اقبال،، از پروفیسر محمد مجیب۔ اس سلسلہ میں بہت کار آمد ہیں۔ خواجہ عبدالحمید صاحب نے علامہ اقبال کی زبان فیض ترجمان سے سنکر کئی علمی جواہر ریزے جمع کئے ہیں جو پہلے رسالہٗ معارف میں اور بعد کو آثار اقبال میں (بلا حوالہ) شائع ہوچکے ہیں اور سیرۃ اقبال کے لئے کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ اپنے مضمون کی تمہید میں موصوف الذکر نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ ''ڈاکٹر صاحب کو زندگی میں کوئی بوسویل (Boswell) نہ ملا،،(۱)۔ جہاں تک یورپ میں اقبال کے زمانہٗ طالب علمی کا تعلق ہے، عطیہ بیگم فیضی کی مختصر کتاب ''خطوط اقبال،، خاصی اہم ہے۔ اور اقبال کے تحصیل علم کے باب میں ایک قیمتی ماخذ ہے، خصوصاً لندن اور جرمنی کے بعض مقامات کی تصویریں جو ان کے عہد طالب علمی کی یادگاریں ہیں۔ جرمنی میں اقبال کو ان کے تحقیقی کام میں رہنمائی کرنے والی دو

---

(۱) آثار اقبال صفحہ ۵۷

پروفیسر خاتونوں کے نام صرف اسی کتاب سے معلوم ہوتے ہیں ۔ یہ سب کتابیں اور مضامین اقبال کی مکمل سوانح حیات کے لئے معتبر مآخذ کا کام دے سکتے ہیں ۔ یادگار اقبال مرتبہ' سید محمد طفیل احمد بدر امروہوی (مطبوعہ' آزاد بکڈپو لاہور سنہ ۱۹۴۵ع) کے شروع میں تمام رہنمایان ملک کے پیغامات وفات اقبال پر جمع کئے گئے ہیں ۔ اس کے بعد چند صفحوں میں حالات ہیں ۔ پھر کئی شعرا کی نظمیں ہیں جو انہوں نے وفات اقبال کے موقع پر کہی تھیں ۔ پھر ان کی تاریخ وفات کے قطعے اور متفرق نظمیں اور آخر میں اقبال کی چند نظمیں بطور تبرک نقل کی گئی ہیں ۔ سیرۃ اقبال پر انگریزی زبان میں چند کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں حالات و سوانح کے علاوہ ان کی تصانیف پر تبصرہ کیا گیا ہے ۔ ان میں مندرجہ ذیل کتابیں قابل ذکر ہیں :—

۱— Poet of the East (شاعر مشرق) از عبداللہ انور بیگ صاحب لاہور سنہ ۱۹۳۹ع—

۲— Iqbal: His Art And Thought (اقبال ۔ ان کا فن اور فلسفہ) از سید عبدالواحد صاحب ۔ لاہور سنہ ۱۹۴۲ع—

۳— The Ardent Pilgrim (زائر پر شوق) از اقبال سنگھ ۔ مطبوعہ' لانگ مین کمپنی کلکتہ سنہ ۱۹۵۱ع—

۴— Introduction to Iqbal (تعارف اقبال) از سید عبدالواحد ۔ سلسلہ' مطبوعات پاکستان کراچی سنہ ۱۹۵۲ع—

اقبال کی مختلف حیثیات پر کئی کتابیں انگریزی میں لکھی گئی ہیں جن کا ذکر اپنے اپنے مقام پر آئے گا—

سیرۃ اقبال پر ایک مضمون پروفیسر ایچ ۔ اے ۔ آر گب (عربی پروفیسر آکسفورڈ یونیورسٹی) نے لکھا ھے جو کتاب قاموس قومی سوانح ۱۹۳۱ - ۱۹۴۰ Dictionary of National Biography مطبوعہ' آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سنہ ۱۹۵۰ع میں شائع ھوا ھے۔

اقبال پر انگریزی میں جو کتابیں لکھی گئی ھیں ان سے یورپ کو اقبال سے روشناس کرانے میں بڑی مدد ملی ھے۔

عربی فارسی اور ترکی زبانوں میں اقبال کی شاعری اور ان کے فلسفہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ھے ۔ لیکن ان کی سیرہ کے متعلق کوئی جامع کتاب اب تک نہیں لکھی گئی ۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر عبدالوھاب عزام بے (سفیر مصر در پاکستان) کی کتاب : محمد اقبال سیرۃ و فلسفہ و شعرہ ، سیرۃ اقبال پر پہلی کتاب ھے جو ایک غیر ملکی نے لکھی ھے۔

مختلف حیثیتیں

اقبال کو عام طور پر " قومی شاعر سمجھ لیا گیا ھے ۔ حالانکہ وہ گوناگوں صلاحیتوں کے مالک تھے ۔ عالم، ادیب، نقاد، شاعر، مفکر، صوفی، قانون داں، ماھر تعلیم، سیاست دان، زعیم ملت اور مصلح قوم ۔ ایسی کئی خصوصیات ان کی ذات میں جمع ھوگئی تھیں اور اس لحاظ سے عربی کے مشہور شاعر ابو نواس کا یہ شعر ان پر بالکل صادق آتا ھے۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

یعنی خدا کے لئے یہ امر محال نہیں ھے کہ وہ ایک شخص کی ذات میں تمام دنیا کو جمع کردے ۔ اگرچہ اس جامع حیثیات شخصیت کی جداگانہ اور مخصوص صلاحیتوں پر وسیع لٹریچر تیار ھو گیا ھے اور صرف اردو اور انگریزی زبان میں ان حیثیتوں پر متفرق اور مجموعی حیثیتوں سے جو کتابیں شائع ھو چکی ھیں ان کی تعداد ایک سو کے قریب پہنچتی ھے ۔ لیکن اقبال

کی مختلف حیثیتوں پر قلم اٹھانا کوئی معمولی کام نہیں ہے ۔ اس کے لئے اقبال کی تمام تصانیف اور تحریرات کا کامل عبور کے علاوہ بڑی قابلیت اور وسعت نظر کی ضرورت ہے ۔ اس لحاظ سے جب ہم اقبالیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان میں بہت کم ایسی تصانیف دکھائی دیتی ہیں جو معیاری کہی جاسکتی ہیں ۔ ان کے علاوہ صدہا مضامین اقبال کی ان جداگانہ حیثیات پر گذشتہ ۳۰ سال سے شائع ہوتے رہے ہیں، مگر ان میں بہت تھوڑے ایسے ہیں جن میں جامعیت، بلندی اور گہرائی پائی جاتی ہو۔ پھر بھی ان میں بعض مضامین قابل قدر ہیں اور لائق مطالعہ ۔ اس پورے سلسلہ' اقبالیات کا حوالہ یا ان کے بعض ضروری اقتباسات دے دئے گئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوگا کہ کسی خاص اقبالی موضوع پر کس انداز میں اور کس نہج سے اظہار خیال کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اقبالیات کے تنقیدی جائزے کا مقصد بھی ایک حد تک پورا ہو جائے گا ۔

———

باب دوم

اقبال بحیثیت شاعر

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

علامہ اقبال کی یہ اولین اور نمایاں حیثیت ہے جس سے وہ پہلے پہل دنیائے علم و ادب میں روشناس ہوئے ہیں۔

اقبال کی تمام حیثیات میں سب سے زیادہ ان کی شاعری پر لکھا گیا ہے، بلکہ ہمارا خیال ہے کہ اقبالیات کا تقریباً دو تہائی حصہ اسی موضوع سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں بے شمار کتابیں، رسالے اور مضامین لکھے گئے ہیں جن کا احصا اور استقصاء دشوار ہے۔ کسی نے ان کی قومی شاعری پر طبع آزمائی کی ہے تو کسی نے ان کی تشبیہات اور استعارات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ کسی نے ان کی زبان کی بندش، حسن ادا، دلاویز اور حسین ترکیبوں پر اظہار خیال کیا ہے، تو کسی نے ان کے فلسفیانہ خیالات کو کامیابی کے ساتھ نظم کرنے پر تحسین و آفریں کی صدا بلند کی ہے۔ کہیں ان کے پیغام کی وضاحت پر سخن آرائی ہے تو کہیں ان کی شاعری کے موضوعات سے بحث۔ کہیں ان کی زبان و محاورات پر اعتراضات کئے گئے ہیں تو کہیں ان کی ''فارسیت،، پر نکتہ چینی۔ غرض کہ ان کی شاعری کو ہر نقطۂ نظر اور زاویۂ نگاہ سے جانچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اقبال کی شاعری کی ہر صنف اور اس کے ہر پہلو پر کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہے، لکھا جا رہا ہے اور لکھا جائے گا۔ لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ دوسرے شعراء کے مقابلہ میں

اقبال کا کلام پڑھنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ بعض اس کے موضوعات پر سر دھنتے ہیں اور بعض اس کے مذہبی اسلامی یا قومی اور انسانی جذبات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے اشعار کی گرمی سے پگھلتے اور اس کی رو میں بہہ جاتے ہیں۔ ان میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو محض کلام اقبال کی مترنم بحروں، چست بندش، نادر اسلوب بیان، دلکش الفاظ، سریلے بول، جدت تخیل اور حسن ادا پر جان دیتے ہیں اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو صرف اس کے جمالیاتی انداز کے والہ و شیدا ہیں۔ مگر اقبال کے فلسفہ، اس کے افکار، اس کے موضوع سخن سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اور آپ کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ وہ ''انظر الی ما قال،، پر تو نظر رکھتے ہیں، لیکن اس کو سمجھنا نہیں چاہتے۔ صرف اس کے طرز کلام اور سحر بیانی سے مسحور ہو جاتے ہیں۔ یہ شیدائیان کلام اقبال کی ایک نادر قسم ہے۔ چنانچہ لاہور کے ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال آرٹسٹ مسٹر روپ کرشن اس اسکول کے نمائندہ کہے جا سکتے ہیں۔ وہ اقبال سے ملنے جاتے ہیں، ان کی باتیں سنتے ہیں، لیکن ان کے فلسفیانہ اور حکیمانہ رموز و اسرار، ان کے اسلامی خیالات یا انسانی جذبات سے متاثر نہیں ہوتے، نہیں ہونا چاہتے، بلکہ صرف ان کے کلام کے دلدادہ ہیں اور کلام بھی وہ جو ٹھیٹھ مذہبی قسم کا اور اسلامی جذبات و خیالات سے لبریز۔ وہ اقبال کی شاعری، اس کے آرٹ پر وجد کرتے ہیں۔ اس کی خوبصورت ترکیبوں، غنائی بحروں، مترنم الفاظ سے لذت اندوز ہوتے ہیں اور اسی کو ''اقبال کا آرٹ،، سمجھتے ہیں—

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

چنانچہ اپنے ایک انگریزی مضمون میں جس کو ''اقبال،، کے عنوان سے ایک

خوبصورت کتابچہ کی شکل میں شائع کر چکے ھیں، اپنے خیالات و تاٴثرات کو قلمبند کرنے ھیں ۔ اقبالیات کے سلسلہ میں ان کا یہ مقالہ جو ایک خاص حیثیت اور ندرت رکھتا ھے اور بقول ایک ناقد اقبال ۔ ڈاکٹر سنہا ۔ بہت نقادانہ شان لئے ھوئے ھے ”عجوبہ“ سے کم نہیں ھے جس کی مثالیں دنیائے شعر و ادب میں بہت کم ملیں گی ۔ ۳۸ صفحوں کے اس مختصر رسالے میں انہوں نے اقبال کی شاعری کے صرف اسی ایک پہلو سے بحث کی ھے اور ان کی تمام حیثیتوں کو نظر انداز کرکے صرف اسی ایک خوبی کو چن لیا ھے۔ چنانچہ اس کتابچہ کے آخری فقرے کی تان اس پر ٹوٹتی ھے کہ :—

”شاعری سے لطف اندوز ھونے کے لئے محض شعر کا مطالعہ کرو۔ نہ تو موضوع سخن کو دیکھو نہ خیالات کو، نہ افکار کو، صرف شاعری کا مطالعہ ۔ شاعری الفاظ کی ایک شاندار موسیقی ھے اور وہ پختہ اثر جو مختلف الفاظ اور فقروں کے امتزاج سے پیدا ھوتا ھے۔ موضوع سخن پر غور و فکر آرٹ کی تحسین میں مدد نہیں کرتا، بلکہ اس میں رکاوٹ ڈالتا ھے،،—(ص ۳۸)

شاعری کا ارتقاء

اقبال کی شاعری کے ابتدائی دور سے متعلق ھماری معلومات بہت مختصر ھیں اور سر شیخ عبدالقادر مرحوم کے مقدمہٴ بانگ درا سے آگے نہیں جاتیں۔ کوئی با کمال شاعر یکایک نہیں بن جاتا۔ اس کے ارتقائی دور میں اس کی استعداد، صلاحیت اور تحصیل فن کا سراغ ملتا ھے ۔ لیکن ھم اس دور کی تفصیلات سے محروم ھیں ۔ ابتدا میں تو وہ ایک شاعر ھی کی حیثیت سے نظر آتے ھیں جب کہ وہ ملک کے مشہور شعرا کے مقابلہ میں ابھی مبتدیوں کی صف میں تھے ۔ لیکن اس وقت بھی اپنے معاصرین میں ان کی شان سب سے نرالی تھی ۔ تغزل ھو یا منظر نگاری سب میں ان کا

انداز جداگانہ تھا۔ ابتدا ھی سے ان کا ایک خاص رنگ تھا۔ لیکن آگے چل کر پختہ سخنور بننے کے بعد زیادہ سے زیادہ وہ ''قومی شاعروں،، حالی، شبلی وغیرہ کے زمرے میں داخل کر دئے گئے اور ان کی قومی نظموں کی اشاعت کے بعد تو وہ قومی شعراء کی صف میں ایسے بٹھا دئے گئے کہ بزم قومی کے مرثیہ خوانوں میں ان کا بھی شمار ھونے لگا۔ چانچہ عالم بالا کے سخن فہموں میں ایسے مبصرین بھی موجود ھیں جو یہ خیال رکھتے ھیں کہ اقبال حالی کے متبعین میں سے تھے(۱)۔ ان کے مذاق سخن کی داد دیجئے کہ انہوں نے اقبال کے شعر: موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے الخ پر اس طرح اصلاح فرمائی ھے: موتی نہ تھے کہ شان کریمی نے چن لئے! ایک مضمون نگار ادیب نے تو یہاں تک لکھ دیا ھے کہ ''وہ حالی اسکول کی پیداوار ھیں،،(۲) اور ایک نقاد سخن (مجنون گورکھپوری) ارشاد فرماتے ھیں کہ ''اردو نظم و نثر میں حالی اور آزاد نے جو نئی لے چھیڑی تھی اقبال نے اس کی تکمیل کی۔ ھم اقبال کو مدرسۂ حالی کا مکمل اور تربیت یافتہ نمونہ کہہ سکتے ھیں،، پھر اقبال کو حالی کا جانشین قرار دیتے ھوئے فرماتے ھیں :-

''حالی اور آزاد کے بعد اردو شاعری کا میدان کچھ خالی اور بے رونق سا ھو گیا تھا۔ اور ایسا محسوس ھو رھا تھا کہ اب کوئی ایسا نہیں جو ان بزرگوں کی پیدا کی ھوئی نئی روایت کو فروغ دے، یا کم سے کم اس کو برقرار رکھے۔ حالی اور اقبال کے درمیان جو خلا ھے وہ ایسی ھے جو محسوس ھوتی ھے اور ھم کو افسردہ کر دیتی ھے، لیکن جب اقبال کی آواز کان میں پڑتی ھے تو نئی امیدیں بندھ جاتی ھیں اور یہ سوچ کر اطمینان ھونے لگتا ھے کہ شاید ''دیر آید درست آید،، کی مثل غلط نہیں ھے۔ اگر اقبال نہ ھوتے تو

---

(۱) مراۃ الشعرا جلد ۲ صفحہ ۱۷۵

(۲) اقبال کی شاعری از عبدالمالک آروی ص ۱۰

نہیں کہا جا سکتا کہ اردو شاعری میں جس نئی عمارت کی بنیاد حالی اور آزاد ڈال گئے تھے اس کو بلندی کی اس منزل تک پہنچنے میں ابھی کتنی دیر لگتی،،(۱)

اردو شاعری پر تقریباً ہر قلم اٹھانے والے نے اقبال کو حالی اسکول کا پیرو یا نمائندہ بتایا ہے جو صریحاً زیادتی ہی نہیں بلکہ قطعاً غلط ہے۔ اس لئے کہ ان کی شاعری کو خواہ وہ ابتدا کی ہو یا آخری دور کی، حالی کی شاعری سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ البتہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اقبال اردو شاعری کے اس ماحول سے ایک حد تک ضرور متاثر تھے جو غدر کے بعد پیدا ہوا تھا۔ فی الحقیقت اقبال کسی دبستان شاعری کے پیرو نہیں تھے بلکہ انہوں نے اپنا دور خود پیدا کیا اور اس لحاظ سے وہ ایک عہد آفریں شاعر تھے۔ ''جدید اردو شاعری،، کے مصنف نے جدید شاعری کا ارتقا اقبال ہی سے منسوب کیا ہے :—

''اقبال اردو شاعری میں ایک ایسے دور کے موجد ہیں جس کا بڑا وصف رفعت خیال اور فلسفیانہ بلند آہنگی ہے۔ وہ جس طرح اپنے عہد کی صداقت شعارانہ پیداوار ہیں اسی طرح فکر و سخن کی تاریخ میں ایک نئے عصر کے معمار ہیں—(۲)

اگر اقبال نے واقعی کسی شاعر کا تتبع کیا ہے تو وہ مرزا غالب ہیں۔ لیکن یہ بھی صرف لفظیات، زبان، بندش، اسلوب اور طرز ادا کی حد تک۔ بقول پروفیسر سروری ''یہ سب ابتدائی مرحلے تھے، ان کی بعد کی شاعری جو در اصل ان کی زندگی کا سرمایہ ہے اگلے اساتذہ میں سے کسی سے مناسبت نہیں رکھتی،،—(۳)

---

(۱) اقبال از مجنون گورکھپوری صفحہ ۲-۳
(۲) جدید اردو شاعری از عبدالقادر سروری طبع ثانی صفحہ ۱۵۶
(۳) جدید اردو شاعری از عبدالقادر سروری طبع ثانی صفحہ ۱۶۶

تعجب تو یہ ہے کہ اقبال کی شاعری کو جو انہوں نے اپنی قومی زبان میں کی ہے، عام اردو شاعری کے مطابق اور خود ان کو اردو شعرا میں "قومی شاعر" سے آگے کسی نے جاننے پہچاننے کی کوشش نہیں کی او زیادہ سے زیادہ ان کی طباعی، مادۂ اختراعی، بلند پروازی اور تخیل طرازی کی تعریف کی گئی، ان کی خوبصورت تشبیہات اور لطیف استعارات کو سراہا گیا، ان کی رنگین نوائی، شیوا بیانی کی داد دی گئی اوز یہ سمجھ لیا گیا کہ "اقبال شاعری کے لئے اور شاعری اقبال کے لئے پیدا ہوئی ہے"۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ان کے انقلاب شعری کی داد دیتے ہوئے بھی ان کے کلام میں فنی خامیاں دکھائیں(۱) ۔ کئی ایک نے اس جدیدالفکر شاعر کا مذاق اڑایا اور بعض نے ان کے اسلوب فکر اور انقلاب انگیز شاعری پر نکتہ چینیاں بھی کیں اور اس کے پیغام کو سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہوئے کہ "اقبال ہمیں ایک طرف خودی کے راز سے آگاہ کرتے ہیں تو دوسری طرف بیخودی یعنی ترک فردیت کرکے ملت میں گم ہو جانے کی تعلیم دیتے ہیں"، یہ کہنے پر اتر آئے کہ اقبال کی شاعری میں "جس عشق کو انسان کا خمیر بنایا گیا ہے وہ محض کسی 'مرد مومن' کا اجارہ کیوں کر ہو سکتا ہے، اور جو عشق ایک کائناتی حقیقت ہے اس کو حجازیت یا کسی دوسرے عنوان سے قومی یا ملی زبان کا سنگ بنیاد بتانا کہاں کی دانائی ہے"۔ اس کے ساتھ ہی اقبال پر تنگ نظری اور غلط فکری میلانات کے اسباب کے سلسلہ میں ایک سبب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ "وہ اتنی بڑی شخصیت کے باوجود ٹھیٹھ پنجابی تھے"، اور چونکہ وہ "اتنے بڑے مفکر اور مبصر تھے اس لئے وہاں جغرافیائی اور صوبائی امتیازات نے خیالات و اعتقادات کی فرقہ بندی کی شکل اختیار کرلی اور ملکیت

---

(۱) مرآۃ الشعرا جلد ۲ صفحہ ۱۸۰ - ۱۸۴ مطبوعہ شیخ مبارک علی لاہور ۱۹۵۰ء

اور قومیت کچھ مجرد ہوکر ملیت بن گئی ،، (۱) ۔ غرض کہ اقبال کی شاعرانہ حیثیت کے سمجھنے میں ہمارے ادیبوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے ۔ ایک مشہور تنقید نگار نے تو اقبال کی شاعری کو '' انقلاب انگیز ،، ماننے کے باوجود یہ افسوس ظاہر کیا ہے کہ اقبال نے اردو شاعری کو تشنہ کام ہی رکھا (۲) ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب تک ہمارے ہاں شاعری کا جو مفہوم اور تخیل ہے وہ بہت پست اور سطحی ہے اور یہ ہمارے شعرا کے سرمایۂ سخن کو دیکھتے ہوئے بالکل قدرتی امر ہے—

''شعر و شاعر ،، پر فقیدالشرق علامہ جمال الدین افغانی نے مختصر مگر بلند تریں مقالہ لکھا ہے جو ان کے مجموعۂ مقالات میں شامل ہے (۳) ۔ اس میں انہوں نے شعر اور شاعر کے متعلق جن اعلیٰ خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اقبال اور ان کی شاعری پر صادق آتے ہیں، اس لئے ہم اس کے بعض اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں :—

''شاعرانہ طبیعت اور اس کی خاصیت بھی عجیب و غریب ہے جو بعض انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی طبیعت ہے جو نادر معانی کو ظاہر کرتی اور ایسے جدید افکار کو پیدا کرتی ہے کہ انسانوں کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں ۔ اس کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو مٹی کو بوتل میں ڈال کر پانی بنا دیتے اور اس سے پاکیزہ جوہر چاندی کی صورت میں نکالتے ہیں ۔ یا ان غوطہ لگانے والوں کی مثال

---

(۱) اقبال از مجنون گورکھپوری، ص ۳۴-۳۵

(۲) کلیم‌الدین احمد: اردو شاعری پر ایک نظر ، ج ۲ صفحہ ۹۱

(۳) مقالات جمالیہ ، طبع طہران ، ۱۳۱۲ شمسی ، ص ۱۵۶-۱۵۷

ھے جو دریا کی تہ میں اترتے اور خوبصورت موتی نکال لاتے ھیں جو کمسن دوشیزگان رعنا کی زینت گوش و زیب گلو بنتے ھیں۔ ،،

پھر آگے چل کر فرماتے ھیں :۔

،،یہ طبیعت بنی نوع انسان میں حکمت اور فلسفہ کی ابتدائی نمود ھوتی ھے اور انسانی معاشرہ کے لئے اولین داعی، جو تمدن کے اعتبار سے تدریجی ترقی کرتی رھتی ھے۔ قوموں میں ترقی علوم و فنون کے لحاظ سے اس طبیعت کی فراوانی ھوتی ھے۔ مخفی نہ رھے کہ شعر اور شاعری سے بس یہی رتبۂ عالی مراد ھے جو ھم نے بیان کیا۔ ،،

پھر اس کا مقابلہ پست اور مبتذل قسم کی شاعری اور شعرا سے کرتے ھوئے رقمطراز ھیں :۔

،،نہ این شویعرھاے ژاژ خاے یا وہ گو کہ چند تشبیہات و استعارات رکیکہ کہ آبا و اجداد آنہا براے آنہا میراث ماندہ است، ھر ساعتی آنہا را بلباسی بالی و جامۂ خاق جلوہ میدھند و بمدح زید و ذم بکر، عمر خود را بسر می برند،، (۱)

شاعری اگرچہ وھبی چیز ھے، کسبی نہیں، لیکن اس کے لئے تحصیل علم و ادب اور فن سے واقفیت لازمی ھے اور طبیعت کی موزونی بھی، جو ایک خداداد عطیہ ھے۔ ان خصوصیات سہ گانہ کے بغیر سچی شاعری تکمیل نہیں پاتی۔ چنانچہ فارسی کا مشہور شاعر انوری کہتا ھے :۔

---

(۱) مقالات جمالیہ صفحہ ۱۵۶-۱۵۷ طبع تہران ۱۳۱۳ شمسی

شاعری را سه چیز می باید تا کہ اشعار بر مراد آید
طبع و تحصیل و فیض یزدانی هر کرا نیست ژاژ می خاید

شاعری اظہار خیال کا ذریعہ

سر شیخ عبدالقادر مرحوم نے اقبال کی شاعری کے تین دور تاریخی اعتبار سے مقرر کئے ھیں جن میں اقبال کے شاعرانہ اور دماغی ارتقا کا لحاظ رکھا گیا ھے ۔ اگرچہ ان ادوار ثلاثہ کا کوئی تفصیلی پس منظر ھمارے سامنے نہیں ھے، نہ ان داعیات و اسباب سے ھم واقف ھیں جنھوں نے اقبال کو شعر کہنے پر آمادہ کیا ۔ یہ مان لینا یقیناً غلط ھوگا کہ اقبال نے یکایک محض دوسروں کی دیکھی دیکھی رسمی طور پر یا تفریح یا تفنن کے طور پر شاعری شروع کردی ۔ یا یہ کہ وہ ایک پیشہ ور شاعر بننا چاھتے تھے ۔ یہ توجیہ ان کی بلند دماغی سطح کے بالکل منافی ھے اور ان کی شاعرانہ عظمت کے لئے باعث توھین ھے ۔ دنیائے شاعری میں قدم رکھنے کے بعد ایک بہترین غزل گو شاعر عہد سے تلمذ، اس کا تتبع، مشاعروں میں غزل خوانی، زبان و محاورات کی بندش، یہ سب مشق سخن کے لئے ابتدائی مرحلے تھے ۔ در اصل وہ اپنے اظہار خیال کے لئے ایک ذریعہ کی تلاش میں تھے جو انہیں مل گیا ۔ قدرت ان کو اپنے آئندہ مشن کے لئے تیار کر رھی تھی ۔ چنانچہ بہت جلد انھوں نے عام روش کو خیر باد کہا اور فطری شاعری یا منظر نگاری کی طرف مائل ھو گئے ۔ چند ھی برس کے بعد ان کی اسلامی شاعری کا دور شروع ھوگیا اور وہ اسلام کے پر شوکت ماضی اور عظمت اسلاف پر شاندار نظمیں لکھنے لگے اور مسلمانوں کے تنزل و انحطاط کے مرثیے پڑھنے لگے جس کی بنا پر انہیں قومی شعرا کی صف میں بٹھا دیا گیا ۔ حالانکہ وہ نہ صرف مسلمانان ھند، بلکہ عالم اسلام کو اپنا پیغام پہنچانا چاھتے تھے جس کے لئے قدرت نے انکا انتخاب کیا تھا ۔ ان تین دوروں کے علاوہ ھمارے نزدیک بحیثیت شاعر اقبال کی تین حیثیتیں ھیں :—

(۱) شاعر محض کی حیثیت (۲) اسلامی اور قومی شاعر کی حیثیت (۳) دنیا کے ایک شاعر اعظم کی حیثیت ۔

ان تینوں حیثیتوں کو ان کی شاعری کے ادوار ثلاثہ کے ساتھ جو نسبت معنوی ھے وہ اھل نظر سے پوشیدہ نہیں ھے ۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اقبال ایک شاعر محض ھی نہیں بلکہ ھند و پاکستان اور عالم اسلام کے علاوہ تمام دنیا کے ایک شاعر اعظم کی حیثیت رکھتے ھیں ۔ اقبال کا ایک معزز دوست اور سخن شناس ان کو اس طرح خراج تحسین پیش کرتا ھے :—

"اگر تخت طاؤس ملک ایران کے لئے باعث فخر ھے، اگر کوہ نور برطانوی تاج کے لئے موجب شان و شوکت ھے، تو یقیناً اقبال دنیا کے ھر کسی ملک کے دربار شاعری کی زیب و زینت ھے،، (۱)

اور ادوار ثلاثہ میں خواہ وہ رسمی شاعر سمجھے گئے ھوں یا قومی شاعر، پیغام گو شاعر ھوں یا کاروان ملت کے حدی خواں، لیکن یہ واقعہ ھے کہ وہ عطار و سنائی، رومی و عراقی کی طرح شاعری کو صرف اپنے اظہار خیال کا ایک ذریعہ بنائے ھوئے تھے ۔ وہ ولولے جو ان کے سینہ میں موجزن تھے کلام موزوں بن کر نکلتے رھے ۔ وہ نغمے جو ان کے ساز زندگی میں پوشیدہ تھے ترنم ریز ھوتے رھے اور وہ درد و غم کے جذبات جو ان کے درد مند دل میں تھے، موزوں نالے بن کر شکوہ سنج ھوتے رھے ۔ یہی وجہ ھے کہ اقبال اپنے آپ کو شعرا میں شمار نہ کرتے تھے ۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان کو اپنے ایک خط مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۳۵ع میں لکھتے ھیں :—

(۱) نواب سر ذوالفقار علی کی کتاب "صدائے مشرق" (A Voice from the East)

"میں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا ، فن شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی ۔ ہاں، بعض مقاصد خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لئے اس ملک کے حالات و روایات کی رو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ —

نہ بینی خیر ازاں مرد فرو دست
کہ برمن تہمت شعر و سخن بست (۱)
(زبور عجم)

اسی طرح اپنے ایک خط مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۳ء میں خواجہ حسن نظامی کو لکھتے ہیں :—

"آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے آپ کو شاعر تصور نہیں کرتا اور نہ کبھی بحیثیت فن کے میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے، پھر میرا کیا حق ہے کہ صف شعرا میں بیٹھوں ،، (۲)

رسالۂ جوہر کے اقبال نمبر کو پیغام دیتے ہوئے مولوی عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں :—

" مولانائے روم کا اسم شاعری کے دیوان میں لکھ لیا گیا ۔ لیکن دنیا جانتی ہے کہ مثنوی کی معنویت کو مشاعرہ والی شاعری سے بھلا کیا نسبت ہے ۔ بس یہی صورت اقبال کے لئے ہے ۔ وہ باوجود اتنا بڑا اور مشہور شاعر ہونے کے شاعر نہیں ہے بلکہ اپنے پیام سے نبوت کی جا نشینی کا حق ادا کر رہا ہے ۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اقبال شناس ہو جائیں ،، (۳)

---

(۱) مکاتیب اقبال ، حصہ اول ، ص ۱۹۵
(۲) مکاتیب ، حصہ ۲ ، ص ۳۶۷
(۳) جوہر کا اقبال نمبر (پیغامات)

پروفیسر رشید احمد صدیقی نے لکھا ہے کہ :—

''مرحوم کو صرف شاعر سمجھ لینا یا یہ کہ ان کے خیالات یا تصورات تمام کے تمام ان کے کلام میں مقید ہو چکے ہیں، بڑی غلطی ہے۔ مرحوم کی فکر و نظر کا بہت کم حصہ ان کے کلام میں منتقل ہوا ہے،، ۔ (۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال نے شاعری کو پیشہ یا فن بنانے کی غرض سے نہیں سیکھا اور نہ وہ ان متعارف معنوں میں شاعر تھے ۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شاعری کو فن کی حیثیت سے نہیں جانتے تھے ، یا مولانائے روم کی طرح 'من ندانم فاعلات فاعلات، کے قائل تھے بلکہ فن عروض ، بدیع ، معانی و بیان پر ان کی وسیع نظر تھی اور عربی ، فارسی ، اردو اور انگریزی کے ادبیات پر عبور ہونے کے لحاظ سے ان کا ذوق سخن دانی و سخن فہمی بہت بلند ہو چکا تھا ۔ اور یہی سبب تھا کہ اردو شاعری میں انہوں نے نئی طرح ڈالی اور ایک عہد آفریں شاعر کی حیثیت سے اس میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ۔

دنیا کے بڑے بڑے مفکرین نے جنہوں نے بنی نوع انسان کو اپنا پیغام دیا ہے عموماً شاعری کو اپنا آلہ' کار بنایا ہے ۔ اپنے افکار و خیالات کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے شاعری سے بڑھ کر کوئی دل کش اور پر اثر ذریعہ نہیں ہو سکتا ۔ اس نکتہ کو اقبال نے سمجھ کر شاعری کو اپنا ترجمان بنایا۔ رسمی شاعری اور شعرا پر اپنی نظم ''ہنر وران ہند،، میں فرماتے ہیں : —

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا
ان کے اندیشہ' تاریک میں قوموں کے مزار

---

(۱) گنجہائے گرانمایہ ، ص ۱۷۹

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا

فطری شاعری یا منظر نگاری

سب سے پہلے اقبال کی شاعری کی قدر و منزلت فطرت نگاری ہی سے شروع ہوئی اور اس حیثیت سے اردو کے ہم عصر شعرا میں انہوں نے بہت جلد ایک بلند مقام حاصل کر لیا ۔ انگریزی کے فطرت نگار شعرا کے کلام کے ترجمے جو انہوں نے نظم میں کئے اور فطری موضوعات پر جو طبعزاد نظمیں لکھیں ان میں سے اکثر مخزن وغیرہ مقتدر رسائل میں شائع ہوتی رہیں اور ان کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی ۔ یہ نظمیں اکثر ان کے مجموعہ ''بانگ درا'' میں موجود ہیں ۔ اس صنف میں انہوں نے اس قدر ترقی کی کہ وہ تمام معاصرین پر سبقت لے گئے، لیکن جیسے جیسے ان کی شاعری ترقی کرتی گئی، فطرت پرستی کا عنصر ان کے کلام سے کم ہوتا گیا۔ اگرچہ ان کی اکثر نظموں میں فطرت کے مرقعے پائے جاتے ہیں، مگر چونکہ ان نظموں کا مقصد صرف لطف اندوزی یعنی ''ادب برائے ادب'' تھا، اقبال اس سے آگے بڑھ گئے اور ان سے بلند تر نظمیں لکھنے لگے ۔ ان کی فطرت نگاری پر ایک مفصل مضمون ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا ہے جو رسالہ' اردو بابت جولائی ۱۹۵۱ء میں شائع ہو چکا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے اس میں منظر نگاری کے مختلف عنوانات کے تحت بحث کی ہے اور اقبال کی نظموں کی خصوصیات دکھائی ہیں ۔ آل احمد صاحب سرور (ریڈر اردو ، لکھنؤ یونیورسٹی) نے ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی معرکۃ الارا کتاب ''روح اقبال'' پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال کی فطرت نگاری کے متعلق ایک خاص نکتہ پیش کیا ہے کہ ''ان کی شاعری میں فطرت نگاری تو ملتی ہے لیکن فطرت پرستی نہیں ہے۔ جو لوگ دنیا سے گھبراتے ہیں یا دنیا کو سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوتے وہ فطرت کی آغوش میں پناہ ڈھونڈتے ہیں ۔ اقبال کے یہاں شروع میں

فطرت سے بڑی شیفتگی کا اظہار کیا گیا ۔ لیکن جیسے جیسے ان کی شاعری ترقی کرتی جاتی ہے وہ انسان کو مرکزی حیثیت دیتے جاتے ہیں ۔ وہ کسی وقت فطرت کے حسن سے بے خبر نہیں ہوتے ۔ حسن کا تذکرہ ان کے یہاں پہلے تو زیادہ واضح طور پر ہے ، مگر آخر میں صرف چند اشاروں پر اکتفاء کی گئی ہے،، ۔ (۱)

لیکن اقبال کی منظر نگاری کو اردو کے بعض نقادان سخن نے اس قدر اہمیت دی ہے کہ وہ اقبال کی بلندِ رتبہ مفکرانہ شاعری کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ چنانچہ کلیم الدین احمد اپنی کتاب ”اردو شاعری پر ایک نظر،، میں لکھتے ہیں :—

”جہاں وہ منظر نگاری سے دست بردار ہوئے تو جذبی شاعری کو بھی خیر باد کہا ۔ کاش اقبال اس طرف توجہ کرتے تو آج اردو کا دامن نادر و نایاب نظموں سے پر نظر آتا ،، (۲)

”جدید اردو شاعری،، کے مصنف نے بھی اقبال کی اس صنف سخن کی اہمیت پر زور دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں : —

اقبال کی فطری نظموں نے نہ صرف اس میدان کو وسیع کیا بلکہ آئندہ شعرا کے لئے بے شمار راستے کھول دئے ۔ ہالہ ، گل رنگین ، ابر کہسار، آفتاب، صبح ، چاند، صبح کا ستارہ وغیرہ منظر نگاری میں اقبال کی دست گاہ کے پاکیزہ نمونے ہیں ۔ (۳)

---

(۱) نئے پرانے چراغ، ص ۲۴۹، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۱۹۵۴ء

(۲) اردو شاعری پر ایک نظر، حصہ دوم، ص ۹۰، مطبوعہ عظیم ہاؤس بانکی پور پٹنہ

(۳) صفحہ ۱۷۰، طبع سوم، ۱۹۴۶ء

اس فطرت نگاری کی بناء پر اقبال کو ''مصور فطرت،، کا لقب دیا گیا ہے۔ لیکن جمالیاتی نقطۂ نظر سے اقبال کے پورے کلام کا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ صرف اس کی ایک ظاہری صنف کو لے لیا گیا ہے ، حالانکہ اقبال کے اردو اور فارسی کلام کا اکثر حصہ حسن کاری کا ایک بے نظیر مرقع ہے جو ان کے جمالیاتی ذوق کا آئینہ دار ہے اور اس حیثیت سے وہ مستقل اظہار خیال چاہتا ہے۔ شیخ اکبر علی صاحب نے اپنی کتاب '' اقبال ، اس کی شاعری اور پیغام،، (۱) میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ ایک ابتدائی کوشش اور محض سرسری مطالعہ کا نتیجہ ہے ۔ حالانکہ وہ اس سے زیادہ گہری نظر کا محتاج ہے۔

ترقی پسند شاعر

ملک میں ترقی پسندی کی تحریک بھی ایک خاص مسلک یا Creed بن گئی ہے جس میں اشتراکی رجحانات ایسے جاگزیں ہو گئے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مذہب سے بیزاری اور اخلاقی قیود سے یکسر آزادی اس کے اجزائے لا ینفک خیال کئے جاتے ہیں ۔ اگرچہ ادب میں ترقی پسندی فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہے لیکن موجودہ صورت حالات میں اقبال کے ادب و شاعری کو ایسی '' ترقی پسندی ،، سے منسوب کرنا اس کی توہین ہے ۔ اگر ترقی پسندی سے مراد انسانی ہمدردی اور فکر و نظر کی آزادی ہے ، تو اس معنی میں اقبال ضرور ترقی پسند تھے ،کہ ان کی شاعری بقول ایک ترقی پسند مصنف کے '' ایک نئے دور کی شاعری ہے ، نئی آرزوؤں اور تمناؤں سے سرشار ، پر امید اور حوصلہ مند، متحرک ، مترنم، رقصاں،، — (۲)

---

(۱) صفحہ ۲۶۰—۲۶۱

(۲) ترقی پسند ادب از سردار جعفری ، صفحہ ۱۰۲ -

اس میں کسے کلام ہو سکتا ہے کہ

''ابھی تک اردو زبان نے اقبال سے بڑا شاعر نہیں پیدا کیا ۔ وہ ہمہ گیری اور وسعت ابھی کسی اور شاعر کو نصیب نہیں ہوئی جو اقبال کی شاعری میں پائی جاتی ہے،، (۱) ۔ اقبال کے آخری دور کی شاعری میں بعض اشتراکی خیالات کی ترجمانی پائی جاتی ہے ۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ '' آخر آخر میں اقبال اشتراکیت کی طرف زیادہ مائل ہونے لگے تھے اور اشتراکی روس کی ترقی سے متاثر ہو رہے تھے ،، (۲) ۔ پنڈت جواہر لال نے بھی یہی لکھا ہے(۳) ۔ جو حقیقت سے بعید ہے ۔ اصل میں یہ اقبال کی انسان دوستی کا تقاضہ ہے جو مذہب نے انہیں سکھائی ۔ اسی طرح اقبال کی سامراج دشمنی بھی صحیح اسلامی اصولوں پر مبنی ہے ۔ اقبال نے اگر ''اپنی شاعری سے آزادی کے شعور کو بیدار کیا ہے،، تو یہ ٹھیٹھ اسلامی روح کی کارفرمائی ہے جو اقبال کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے اور ان کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی ۔ ان کی زندہ اور حیات بخش شاعری میں اگر ایسے پہلو ہیں جو ترقی پسند عناصر سے میل رکھتے ہیں تو محض اس بناء پر رسمی اور اصلاحی '' ترقی پسندی ،، کا لیبل ان پر چسپاں نہیں کیا جا سکتا ۔ انہی اقبال کے ہاں جب '' درویشی ، قلندری ، تجدید مذہب ، احیائیت اور تصوف ،، کا ذکر آتا ہے تو ان کو '' ترقی پسند ،، یہ کہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ '' ہمارے کام کی چیزیں نہیں ہیں ،، (۴) ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں صرف ایسی چیزوں سے مطلب ہے جو ان کے خیالات و معتقدات کی مؤید ہوں۔ اقبال کا نظریۂ ادب جس کو ترقی پسند اپنا ورثہ بتاتے ہیں، در اصل ''تجدید مذہب اور احیائیت،، ہی کی بنیاد پر قائم ہے؛ اس کو اشتراکیت ،

---

(۱) ترقی پسند ادب از سردار جعفری ، صفحہ ۱۰۲

(۲) ترقی پسند ادب، صفحہ ۱۱۲-

(۳) اکتشاف ہند (Discovery of India) ، ص ۳۰۵

(۴) ترقی پسند ادب ص ۱۱۴-

آزاد خیالی اور مطلق‌العنانی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اقبال کے نزدیک ہر وہ ادب قابل اعتنا نہیں ہے جو آزاد خیالی، مذہب سے بیگانگی اور اخلاقی قدروں سے رو گردانی کا حامل ہو۔

اقبال اور غزل

اقبال کی شاعری کی ابتدا غزل سے ہوتی ہے اور اس میں ان کو داغ مرحوم سے تلمذ بھی حاصل تھا جس پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

نسیم و تشنہ ہی اقبال کچھ اس پر نہیں نازاں
مجھے بھی فخر ہے شاگردئ داغ سخنداں پر

ان کی ابتدائی غزلوں میں داغ کا رنگ نمایاں ہے۔ داغ کی شوخی اور بے ساختگی اس ابتدائی کلام کا طرۂ امتیاز تھی ۔ لیکن یہ رنگ بہت دیر پا نہ رہا۔ صرف تنگنائے غزل کو اس ابھرنے والے فلسفی نے اپنی فکر کی جولان گاہ بنانا پسند نہیں کیا، کیونکہ وہاں سوائے پیش پا افتادہ مضامین کی تکرار کے اور کیا رکھا تھا جس سے ہمارے فلسفی شاعر کی پیاس بجھتی۔ آخر کار غالب کے کلام کی کشش ان پر غالب آئی اور غالب ہی کا رنگ سخن ان کی شاعری پر ایسا چڑھا کہ اس وقت سے ان کی شاعرانہ زبان تمام تر غالب کی زبان قرار پا گئی۔ غزل ہو یا نظم ، قطعہ ہو یا مسدس ، ان کے ہر صنف کلام میں صوری اور معنوی اعتبار سے غالب کا رنگ اس قدر رچ گیا کہ اگر اظہار خیال کے چند جدید طریقوں اور خاص ترکیبوں سے قطع نظر کی جائے تو اقبال اور غالب کے کلام میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ فکر و تخیل کے امتزاج نے جو دونوں کے کلام میں مشترک ہے ۔ ان کی شاعری میں ایک خاص لطف پیدا کر دیا۔ اقبال اپنی نظم متعلقہ مرزا غالب میں فرماتے ہیں :-

لطف گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں
ہو تخیل کا نہ جب تک فکر کامل ہمنشیں

فلسفہ اور تصوف کی جانشینی کے ساتھ واردات قلبیہ کا اظہار اور وہ مخصوص طرز بیان اور انداز سخن جو کلام غالب کا امتیازی وصف ہے، اقبال کے کلام میں بکثرت موجود ہے اور اس لحاظ سے مؤلف ''جدید اردو شاعری،، کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ ''اگر یہ مشق سخن جاری رہتی تو اردو میں دوسرا غالب پیدا ہو جاتا،،۔

مولانا عبدالحق کو اقبال کی شاعری میں '' غالب کی بلند پروازی اور حالی کے عمیق جذبات ،، نظر نہیں آتے۔ پھر بھی وہ اس بات کے قائل ہیں کہ '' ان کے کلام میں ایک طاقت ، جوش اور تخلیقی قوت ہے جو ان کی اپنی ہے،، ۔(۱)

غزل گوئی نے اقبال کی شاعری کو فائدہ پہنچایا ہو یا نہیں، مگر اس میں شک نہیں کہ اس صنف سخن پر قدرت حاصل کرکے انہوں نے غزل کی زبان کو اپنی مابعد کی شاعری کی زبان بنا دیا۔ جس طرح فارسی کے نامور شاعر نظامی گنجوی نے اپنی مثنویات میں زور تغزل کو وقف کر دیا اور غزل گوئی کے لئے کچھ باقی نہ رکھا، اسی طرح اقبال نے بھی غزل سے یہ کام لیا کہ اپنا سرمایۂ تغزل اپنی نظموں میں کھپا دیا۔ اگر نزاکت خیال، حسن بیان اور لطافت جذبات کے ساتھ رنگین نوائی اور شیوا بیانی تغزل کے ترکیبی عناصر ہیں، تو یقیناً اقبال کی ہر نظم ایک غزل کا حکم رکھتی ہے۔ غزل کا پیرایہ تو پھر بھی محدود ہے، لیکن ان کی طویل نظموں میں اکثر و بیشتر شعر ایسے ہیں جو بجائے خود ایک مکمل غزل کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔

اقبال کی غزلیہ شاعری کے سلسلہ میں یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے غزل کی صوری حیثیت کو بالکل بدل دیا ہے۔ بالفاظ دیگر

---

(۱) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ، لفظ '' اردو ،،

شاعرانہ مجاز کو حقیقت سے آشنا کر دیا ہے ۔ لیکن اخیر میں جا کر یہ قیود اور بندشیں بھی اٹھا دی گئی ہیں ۔ چنانچہ اپنے آخری دور کے تغزل میں انہوں نے غزل کی صوری اور معنوی حیثیت کو بھی خیر باد کہدیا، یعنی ایک طرف تو انہوں نے غزل سے ردیف اڑا دی اور صرف قافیہ رہنے دیا اور دوسری طرف غزل کے مضامین کو اپنے واردات اور پیغام تک محدود کر دیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی زبان کو بھی خاص اپنی زبان بنا دیا ۔ اس میں شک نہیں کہ یہ میدان تغزل بہت وسیع ہے، بشرطیکہ کہنے والے کا کوئی خاص مقصد اور کوئی خاص پیغام بھی ہو ۔ (۱)

پروفیسر آربری اپنے انگریزی ترجمہ زبور عجم (Persian Psalms) کے دیباچہ میں اقبال کی غزل پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :—

''قدیم شعراء نے غزل کو مختلف موضوعات میں استعمال کیا ہے ۔ قصیدہ نگاروں نے عشقیہ مضامین لے کر اپنے سرپرستوں کی مبالغہ آمیز مدح میں صرف کئے، صوفیوں نے انسانی جذبات کی زبان استعمال کی اور خدا سے اپنے عشق کا اظہار کیا لیکن اقبال نے سب سے پہلی مرتبہ اس صنف قدیم کو جدید فلسفہ کا لباس پہنایا ،، (۲)

اردو ادب کے تدریجی ارتقاء کا جائزہ لیتے ہوئے اردو کے ایک افسانہ نگار نے اقبال کی غزل گوئی پر اظہار خیال کیا ہے اور بتایا ہے کہ ''اقبال نے غزل کی بنیاد بدل دی اور آج غزل گوئی کا احیا ہو رہا ہے تو بلا شبہ اس کا سبب اقبال کی نئی طرز کی غزل گوئی ہے،، (۳) ۔ لیکن اگر موجودہ غزل گوئی

---

(۱) '' اقبال اور غزل ،، از قاضی احمد میاں اختر مطبوعہ زمانہ (کانپور) اکتوبر ۱۹۳۱ع

(۲) مطبوعہ ۱۹۴۸ع ناشر محمد اشرف لاہور ۔

(۳) ثقافت پاکستان ۔ اردو ادب از عزیز احمد ، ص ۲۲۶

سے مراد یہ ہے کہ غزل کے قدیم موضوعات بدل گئے ہیں، تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اس کا سبب زیادہ تر غالب کا تتبع ہے، اور یہ اثر زمانہٗ حال کے معروف شعرا حسرت، جگر، اصغر، فانی، جوش وغیرہ کے کلام میں بہت نمایاں ہے۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ موجودہ غزل نے اقبال کا رنگ قبول کیا۔ اگرچہ معدودے چند شعرا نے اقبال کا تتبع کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس میں انہیں بہت کم کامیابی ہوئی ہے۔ اقبال کی غزل پر اب تک بہت ہی کم لکھا گیا ہے اور ان کے تمام معنوی و صوری پہلوؤں پر کسی نے تفصیلی نظر نہیں ڈالی۔ البتہ ڈاکٹر یوسف حسین نے ''روح اقبال،، (۱) میں اقبال کے آرٹ کا جائزہ لیتے ہوئے اقبال کی غزل پر اظہار خیال کیا ہے جس میں زیادہ تر غزل کا ادبی اور صنعتی پہلو دکھایا ہے۔ غزل کے جمالی، فنی اور نفسیاتی پہلو پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ اقبال کا رنگ تغزل ان کی تمام نظموں اور غزلوں میں اس قدر مشترک اور عام ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں اردو یا فارسی کلام کی تخصیص نہیں ہے۔ یہی رنگ تغزل ان کی شاعری کی جان ہے جو اپنی نرالی جمالیاتی شان اور فنی، ادبی اور نفسیاتی خصوصیات کے ساتھ ہر ایک کو اپنی طرف مائل کر لیتا ہے۔

قومی شاعر

اقبال نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں کچھ نظمیں لکھیں، جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسوں میں پڑھی گئیں۔ نالہٗ یتیم، فریاد امت، طائر سبز فام کا پیام وغیرہ نظموں کی بنا پر انہیں ''قومی شاعر،، کا خطاب دیا گیا۔ لیکن یہ صحافتی قسم کی قومی شاعری نہیں ہے اور نہ وہ رسمی شاعری جو آگے چل کر حالی اور شبلی کے تتبع میں ایک قسم کی ''مرثیہ گوئی،، یا ''نوحہ خوانی،، بن کر رہ گئی۔ بلکہ یہ

---

(۱) ص ۹۶ تا ۱۱۲

اقبال کے اپنے ذاتی جذبات اور ذھنی تاثرات کا رد عمل ھے جو خاص قسم کے قومی حادثات کے رونما ھونے پر ان کی زبان قلم سے ادا ھوئے اور جن میں قوم کے لئے ایک خاص پیغام عمل ھے ۔ بقول کلیم الدین احمد :—

" اقبال کے جذبات فرضی و خیالی نہیں ذاتی ھیں اور وہ جوش کے ساتھ محسوس بھی کئے گئے ھیں ۔ اس لئے ان میں صداقت موجود ھے،، (۱) ۔

اقبال کی قومی نظموں کے داعیات و اسباب اور ان کا پس منظر ایک سیر حاصل بحث کے محتاج ھیں جن پر مستقل اظہار خیال کی ضرورت ھے ۔ مولوی عبدالحق صاحب انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں اپنے مضمون "اردو،، میں لکھتے ھیں :—

"ان کی ابتدائی شاعری قومی اور وطنی قسم کی تھی ۔ لیکن فی الحال اس میں عالمگیر احساسات پیدا ھو گئے ھیں ۔ وہ مسلمانوں سے کہتے ھیں کہ وہ مذھب کو اتحاد پیدا کرنے کا بنیادی اصول بنائیں اور اسلاف کی خصوصیات اپنے اندر پیدا کریں ۔ وہ اس دن کا خواب دیکھ رھے ھیں جو عنقریب آنے والا ھے ، جب کہ اسلام نہ صرف ایشیا بلکہ تمام دنیا کی نجات کا باعث ھوگا ،،۔

ھندوستان کے مسلمانوں کی نشاۃالثانیہ کے سلسلہ میں اقبال کی گراں قدر خدمات کی وضاحت اور تفصیل کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ھے۔ مسلمانوں کی بیداری میں ان کی شاعری نے اعجاز مسیحائی دکھایا ھے ۔ یہ ہر صغیر کے مسلمانوں پر اقبال کا زبردست احسان ھے جس کو آزادی ھند کا کوئی مؤرخ نظر انداز نہیں کر سکتا ۔ مولانا محمد علی مرحوم اپنے انگریزی مضمون "تعلیمات اقبال،، میں فرماتے ھیں :—

---

(۱) اردو شاعری پر ایک نظر ؛ حصہ ۲ ، ص ۹ ۔

''بحیثیت شاعر اقبال بیسویں صدی کے ہند میں نشاۃالثانیہ کے علم بردار تھے اور اسلامی ہند اس پنجابی گوشہ نشیں اور شرمیلے بیرسٹر سے زیادہ کسی اور کا ممنون نہیں،، (۱) ۔

اقبال کا اثر معاصر شعرا پر

اقبال نے اپنی فکر جدید ، لطیف طرز بیان اور رنگین اسلوب سے اردو شاعری میں انقلاب پیدا کر دیا، اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے ۔ ان کا طرز سخن ابتدا ہی سے اس قدر مقبول ہو چلا تھا کہ معاصر شعرا ان کے طرز و اسلوب پر نظمیں لکھنے کی طرف مائل ہوگئے ۔ چنانچہ اردو کا جواں مرگ شاعر سرور (درگا سہائے) جہاں آبادی اپنی ایک نظم '' فضائے برشگال اور پروفیسر اقبال ،، میں ان کے نغمے سننے کا اشتیاق ظاہر کرتا ہے :—

بہار آئی شگفتہ ہوئے گل پنجاب
چہک چہک کہ کدھر ہے تو بلبل پنجاب
ادھر بھی کوئی ایاغ مئے سخن ساقی
اٹھے وہ جھوم کے بادل گھٹا کے دن آئے

''مزار دوست،، میں سرور نے اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں جو اقبال کی نظم '' خفتگان خاک ،، میں پائے جاتے ہیں۔ نادر کاکوروی بھی سرور کی طرح مخزنی دور کے شاعر تھے، اور غالباً اقبال سے ان کی دور کی شناسائی بھی تھی جیسا کہ اقبال نے اپنے ایک قطعہ (۲) بنام نادر میں کہا ہے :—

نادر کاکوروی نے دور سے دیکھا مجھے

---

(۱) آثار اقبال، ص ۲۰۴

(۲) یہ قطعہ غالباً ۱۹۱۸ء میں یا اس سے کچھ پہلے رسالہ'' الناظر (لکھنو) میں شائع ہوا تھا ۔

نادر نے اپنی نظم ''شمع مزار،، (۱) کے آخری شعر میں اقبال کی نظم ''شمع،، (۲) (بزم جہاں میں میں بھی ہوں اے شمع درد مند) کے متعلق لکھا ہے :-

اس تیرہ روزگار و بر آشوب دور میں
دو تیرے درد مند ہیں اقبال اور میں

افسر میرٹھی کی وطنی شاعری زیادہ تر اقبال سے الہام حاصل کرتی ہے۔ (۳) اقبال کی شاعری کا آخری دور بعد کے اکثر شاعروں کے لئے نئی تحریکات اور خیالات کی افزائش کا باعث بن گیا ہے(۴) ۔

موجودہ زمانے میں اقبال کا دبستان شاعری آہستہ آہستہ دوسرے پیش رو شعرا کے اثرات کو محو نہیں تو کم ضرور کرتا جا رہا ہے ۔ یہ ان کی تخلیقی اور حیات آفریں شاعری کا اعجاز ہے۔ عبدالمالک صاحب آروی لکھتے ہیں :-

''قدرت نے ان پر یہ مخصوص بارش کرم کی کہ ان کی زندگی ہی میں ان کے اسکول کو بہت بڑا فروغ دیا اور آج ہندوستان میں جوش و ساغر کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ اقبال کی شاعری اپنی افادیت کے لحاظ سے غیر فانی ہو چکی ہے،، ۔

آروی صاحب نے اپنی کتاب '' اقبال کی شاعری،، میں جو رطب و یابس خیالات کا مجموعہ ہے اور جس میں غیر متعلق امور اور افراط و تفریط کی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں ، اقبال اور جوش کا مقابلہ (چہ نسبت؟) کر ڈالا ہے۔

---

(۱) جذبات نادر، حصہ دوم ، ص ۵ (نول کشور)
(۲) بانگ درا ، ص ۳۲
(۳) جدید اردو شاعری ، ص ۲۷۳ (۴) جدید اردو شاعری ، ص ۲۶۹

بلکہ اول الذکر کو آخرالذکر کا استاد بھی ٹھہرایا ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

''اقبال کی شاعری نے جوش کو جس حد تک مستفید کیا ہے وہ تعارف سے مستغنی ہے ۔ جوش پر وطنی ماحول اور مرکزیت زبان نے بہت اثر کیا ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنے استاد اقبال سے بھی آگے ہیں ۔ لیکن جہاں تک فلسفیانہ عمق اور حکیمانہ ارشاد و پیام کا تعلق ہے جوش ابھی بہت پیچھے ہیں'' (۱) ۔

اس کے بعد ایک بے معنی سی پیش گوئی بھی فرما دی :۔

''پھر بھی ہمیں یہ یقین ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جب جوش کا کلام اقبال سے بھی زیادہ سنگین حقیقت اور گہری معنویت کا حامل ہوگا کیوں کہ جوش کے کلام میں شگفتگی اور نشاط اب بھی اقبال سے زیادہ ہے۔ مطالعہ اور تجربہ کی کمی ہے'' (۲) ۔ ''سنگین حقیقت اور گہری معنویت'' اور '' شگفتگی و نشاط '' میں کوئی معنوی ربط ہوگا جس کو ہم نہیں پا سکے ۔ کاش وہ بتا سکتے کہ جوش کی یہ کمی کس وقت اور کس طرح پوری ہو گی ۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے :۔

گر ہنر میں نہیں تعمیر خودی کا جوہر
وائے صورت گری و شاعری و نائے و سرود

''ہنر وران ہند'' سے متعلق اقبال کی نظم جن شاعروں پر صادق آتی ہے ان کے کلام کو ایک حقیقت بیں مرد مومن کے کلام کے مقابلے میں پیش کرنا اپنے ذوق سخن فہمی کی نارسائی ہے یا پھر جذبۂ '' ترقی پسندی '' کی رسوائی ۔

---

(۱) اقبال کی شاعری ، ص ۶۷

(۲) اقبال کی شاعری ، ص ۶۸ ۔ مولف نے اپنی کتاب کے تیسرے اڈیشن میں ان عبارتوں میں کچھ ترمیم کر دی ہے

سجاد انصاری کی رائے ہے کہ :۔ ’’بہت سے نادان جوش کو غالب اور اقبال کی طرح الہامی شاعر اور ترنم ریز حقیقت سمجھتے ھیں ۔ ایسی غلط فہمیاں اندیشہ ناک ھیں ۔ خیالات کا توازن اگر اسی طرح بگڑتا رہا تو بلند و پست کا معیار فنا ہو جائے گا ،، (۱) ۔

اقبال اور ٹیگور

معاصر شعرا کے سلسلے میں بعض اصحاب نے اقبال اور ٹیگور کا موازنہ کیا ہے، حالانکہ ان دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے ۔ ڈاکٹر لمعہ حیدر آبادی جو فن شعر میں ڈاکٹر اقبال سے اصلاح لیا کرتے تھے اور جن کے نام اقبال کے کئی خطوط ھیں ، ان کی ٹیگور سے بھی خط و کتابت تھی اور وہ اقبال کو ٹیگور کی شاعری اور ان کے خیالات کے متعلق لکھتے رہتے تھے ۔ خود ٹیگور کے دل میں بھی اقبال کی بڑی عظمت اور وقعت تھی ، بلکہ ایک مرتبہ تو ٹیگور اقبال کی مزاج پرسی کے لئے لاھور بھی گئے تھے ، مگر اتفاق سے وہ وھاں پر تشریف نہ رکھتے تھے ۔ ’’ٹیگور اور اقبال ،، کے نام سے ایک مختصر کتابچہ بھی نظر سے گزرا تھا۔ معلوم نہیں ان دو شاعروں کے کلام کا موازنہ کیوں اور کس بنا پر کیا گیا ہے ۔ مولانا عبدالحق صاحب اس موازنہ کے متعلق تحریر فرماتے ھیں :—

’’آج کل بعض سخن سنج اقبال کے کلام کا مقابلہ ھندوستان کے ایک دوسرے نامور اور فخر ھندوستان شاعر ٹیگور کے کلام سے کرتے ھیں۔ ٹیگور کے کلام میں بے شک پریم رس گھلا ھوا ہے ۔ اس کی محبت عالمگیر ہے، وہ تمام کائنات کو اپنے آغوش میں لینا چاھتا ہے ۔ اس کی نظمیں پڑھ کر دل کو تسکین اور روح میں سرور پیدا ھوتا ہے ۔ لیکن اس میں وہ آگ نہیں جو اقبال میں ہے ۔ ٹیگور کے کلام میں نسائیت کا شائبہ پایا جاتا ہے ، اور اقبال میں مردانہ پن ۔ ٹیگور کا جذبۂ محبت گو بہت گہرا اور بے تھاہ

---

(۱) محشر خیال ، ۲۰۲-۲۰۳

ہے ، لیکن وہ اپنے حدود کو توڑ کر کبھی آگے نہیں نکل جاتا ۔ اور باوجود کیف و وجد کے آپے سے باہر نہیں ہونے پاتا ۔ اقبال کا مطمح نظر اگرچہ مقابلتاً محدود ہے مگر زیادہ قوی، زیادہ پر زور اور زیادہ شور انگیز ہے۔ ٹیگور کے ہاں نازک سے نازک موقع پر بھی عقل کی پرچھائیں آس پاس ضرور نظر آتی ہے۔ مگر یہاں جذبات کے تلاطم کے سامنے بعض اوقات بیچاری عقل اپنی آبرو بچانے کے لئے اچک کر الگ جا کھڑی ہوتی ہے ۔ وہاں جذب و کیف کے ساتھ خود داری ہے اور یہاں وارفتگی و شیفتگی :

با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است
ہر چند عقل کل شدۂ بے جنوں مباش (۱)

مزاحیہ کلام

اقبال نے کئی اشعار اور نظمیں مزاحیہ یا ظریفانہ انداز میں لکھی ہیں ۔ اس صنف سخن میں حضرت اکبر الہ‌آبادی کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں ۔ اکبر مرحوم کو اقبال سے بے حد محبت تھی اور وہ ان کے بڑے مداح اور قدر داں تھے، جیسا کہ ان کے نام اقبال کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کا کلام اقبال کے پیش نظر رہا ہے جو ان سے اس قسم کی مزاحیہ نظمیں لکھوانے کا باعث ہوا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہ اقبال کا اپنا رنگ نہیں ہے۔ بلکہ ایک وقتی اور عارضی چیز تھی جو تفنن طبع کے طور پر اختیار کر لی گئی تھی ۔ بہر حال اشعار کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ اقبال کے احباب اور شناسا ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ بہت شگفتہ مزاج یا بالفاظ دیگر زندہ دل تھے اور آخیر وقت تک اس زندہ دلی نے ان کا ساتھ دیا ۔ اس لحاظ سے اس قسم کا مزاحیہ کلام ان کی طبیعت کے منافی نہیں ہے ۔ لیکن جہاں اس میں کئی ادبی خوبیاں ہیں وہاں

(۱) تنقیدات عبدالحق، صفحہ ۹۷

ایک خصوصیت ایسی ہے کہ اقبال اور اکبر کے طرز سخن میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اقبال نے محض اکبر کی تقلید یا نقالی کی ہے بلکہ اس سے دو عالی دماغ شاعروں کے انداز فکر کی یکسانی کا ثبوت ملتا ہے ۔ مثل مشہور ہے کہ بڑے آدمی ہمیشہ یکساں طور پر سوچتے ہیں (Great men always think alike) ۔ ان کے اشعار اور منظومات کا مجموعہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے جمع کیا تھا جس کو مرغوب ایجنسی لاہور نے ان کے دیباچے کے ساتھ شائع کیا تھا اور اس مناسبت سے انہوں نے اس کا نام ''اکبری اقبال،، رکھا جو بہت ہی موزوں ہے ۔ یہ مجموعہ آج کل نایاب ہو رہا ہے ۔ یہ مزاحیہ کلام بانگ درا(۱) رخت سفر(۲) اور باقیات اقبال(۳) میں شامل ہے۔

تاریخ گوئی

جہاں حضرت اقبال نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے وہاں '' تاریخ گوئی ،، کے فن سے بھی انہیں دلچسپی رہی ہے اور انہوں نے چند بہترین تاریخیں کہی ہیں جو مختصراً درج ذیل کی جاتی ہیں (نمبر ۱ تا ۳ باقیات اقبال میں درج ذیل ہیں) ۔(۴)

(۱) تاریخ وفات شیخ عبدالحق صاحب۔

سال تاریخ وفات او ز '' غفران ،، آشکار

(۳ اشعار کا قطعہ)

(۲) تاریخ وفات میاں شاہ دین ہمایوں (۲ اشعار)

'' علامہ' فصیح ز ہر چار سو شنید ،،

---

(۱) ص ۳۲۵ تا ۳۳۶ (۲) ص ۱۳۷ تا ۱۴۴

(۳) ص ۱۶۳ تا ۱۶۸ (۴) باقیات اقبال ص ۱۲۵ تا ۲۱۶

''علامہ فصیح،، (۳۳۴) کو چار سے ضرب دیا جائے تو ۱۳۳۶ بنتے ھیں۔

(۳) تاریخ فتح سمرنا
(۲ اشعار) گفت اقبال ''اسم اعظم مصطفیٰ،، سنہ ۱۳۴۲ھ۔

(۴) سر سید کی تاریخ وفات انہوں نے قرآن مجید کی اس آیت سے نکالی ھے :—

انی متوفیک و رافعک الی و مطھرک (۱۲۴۸ھ)

یہ تاریخ سر سید کی قبر پر کندہ ھے۔ (۱)

(۵) پروفیسر براؤن مشہور مستشرق کی تاریخ وفات بھی قرآن مجید ھی سے نکالی ھے :—

''گفت ھاتف ذالک الفوزالعظیم ،، (سنہ ۱۹۲۶ء)

یہ ۳ اشعار کا تاریخی قطعہ ان کے کاغذات میں سے دستیاب ھوا تھا جس کو مرتب اقبال نامہ نے دیباچہ میں درج کیا ھے۔ (۲)

اقبال کی تاریخ گوئی پر جناب حفیظ ھوشیار پوری نے ایک مضمون سنہ ۱۳۷۱ھ میں لکھا تھا جس کا عنوان ''تاریخ گو اقبال،، ھے۔ اس سے بھی سنہ ۱۳۷۱ھ برآمد ھوتا ھے۔ یہ مضمون روزنامہ '' آفاق ،، کے اقبال نمبر میں شائع ھو چکا ھے۔

اقبال پر ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی ھمارے شعرا نے نظمیں کہی ھیں جن میں بعض بہترین نظمیں ھیں۔ اگر ان سب کا مجموعہ مرتب کرکے شائع کیا جائے تو وہ تمام قطعات اور نظمیں جو اقبال کی تاریخ وفات

---

(۱) ملفوظات ، ص ۱۵

(۲) مکاتیب اقبال حصہ دوم ، ص ۱۳ دیباچہ

پر لکھی گئی ھیں اس میں شامل کرنی ضروری ھیں ۔ ایسی چند تاریخی نظمیں اور قطعات رسالہ اردو کے اقبال نمبر میں بھی موجود ھیں۔ (۱)

غیر مطبوعہ اور رد کردہ کلام

سنہ ۱۹۲۳ع میں عبدالرزاق صاحب حیدرآبادی نے اقبال کی اجازت کے بغیر ان کے اردو کلام کا ایک مجموعہ کلیات اقبال کے نام سے حیدرآباد سے شائع کیا تھا اور اس پر ۱۳۶ صفحوں کا ایک مقدمہ بھی لکھا تھا ۔ اس کے چند مہینوں کے بعد سنہ ۱۹۲۴ع میں اقبال نے اپنے اردو کلام کا مجموعہ بانگ درا کے نام سے مرتب کیا جو شیخ عبدالقادر صاحب کے مقدمہ کے ساتھ شائع ھوا ۔ کلیات اقبال میں کچھ نظمیں ایسی بھی تھیں جو بانگ درا کی ترتیب کے وقت خارج کر دی گئی تھیں ۔ اس طرح ان کی اجازت کے بغیر کلیات کی اشاعت پر اقبال کو اعتراض ھوا تو مرتب کلیات نے اس کی فروخت موقوف کر دی اور بقیہ جلدیں اقبال کے حوالے کر دیں ۔ اس لحاظ سے کہ بانگ درا کی ترتیب خود اقبال نے اپنے حسب منشا کی ھے اور اپنے مجموعۂ کلام سے کئی اشعار اور نظمیں حذف کر دی ھیں ، یہ مجموعہ نہایت مستند اور معتبر ھے ۔ عموماً مشہور شعرا کے کلام میں اس قسم کی مثالیں ملتی ھیں کہ انہوں نے اپنا ابتدائی کلام کچھ فنی خامیوں اور کچھ اپنے افکار و خیالات کے ارتقا کے پیش نظر خارج کردیا۔ نیز اس خیال سے کہ ما بعد کے کلام میں تضاد نہ پیدا ھو ، اس کی عام اشاعت مناسب نہ سمجھی ۔ اس کی بین مثال مرزا غالب کا دیوان ھے جس کو مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی نے کاٹ چھانٹ کر انتخاب کیا ۔ جب دیوان کا نسخۂ حمیدیہ شائع ھوا تو معلوم ھوا کہ ان کا حذف شدہ کلام اس منتخب کلام کے رتبہ کا نہیں ھے ۔ ایسی صورت میں اقبال نے ابتدائی زمانے کے کلام کا ایک حصہ اپنے بعد کے کلام سے ھم آھنگ نہ پاکر حذف

---

(۱) ص ۵ تا ۳۱

کر دیا ، یا اگر شامل کیا تو اس میں ترمیم کردی ۔ اس صورت میں ان کے رد کردہ کلام کو شائع کرنے کی ضرورت نہ تھی ۔ لیکن ان کی وفات کے بعد جب کہ ان کے نظریات و افکار پر متعدد اصحاب نے قلم اٹھایا تو یہ ضروری معلوم ہوا کہ ان کی شاعری کے ارتقائی مدارج دکھانے کے لئے ان کی ہر تحریر سے خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں ، استفادہ کرنا چاہئے، اس لحاظ سے ان کا یہ رد کردہ کلام ''آثار قدیمہ،، یا ''تبرکات،، کی حیثیت رکھتا ہے جس سے تاریخی استدلال میں کافی مدد ملتی ہے ۔ چنانچہ ایسے اشعار اور نظموں کا ایک مجموعہ محمد انور حارث صاحب نے ''رخت سفر،، کے نام سے سنہ ۱۹۵۲ع میں تیار کیا اور کراچی کی تاج کمپنی نے اسے شائع کیا ہے۔ اس مجموعہ کے تقریظ نگار کا خیال ہے کہ ''اس مجموعہ کے سرسری مطالعہ سے اقبال کے تخیل کے چند ایسے پہلو بھی نمایاں ہوتے ہیں جو مشرقی سیاست اور تمدن کے امور میں سنگ میل کی اہمیت رکھتے ہیں اور ان پر غور و فکر کا زمانہ بڑی تیزی سے قریب آرہا ہے،، ۔ اس مجموعہ پر ایک مفصل تبصرہ عزیز احمد صاحب کے قلم سے رسالہ ماہ نو (کراچی) بابت اپریل سنہ ۱۹۵۲ع میں شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اقبال کے بعض اشعار اور نظمیں ایسی ہیں جو بانگ درا میں نہیں ہیں اور بعض اخبارات و رسائل میں کبھی شائع ہوئی تھیں یا بعض دوستوں کی بیاضوں اور خطوط میں درج تھیں ۔ ان کی اشاعت بھی ضروری سمجھی گئی ۔ چنانچہ ایک اقبالی مصنف سید عبدالواحد صاحب نے اس قسم کا تمام کلام یکجا کیا اور اس کو باقیات اقبال کے نام سے مرتب کر دیا جس کو شیخ محمد اشرف صاحب ناشر کتب لاہور نے سنہ ۱۹۵۳ء میں شائع کیا ۔ اس مجموعہ میں غیر مطبوعہ کلام کے علاوہ بعض نظمیں اور اشعار ایسے ہیں جو مطبوعہ کلام میں موجود ہیں اور ان کا کچھ حصہ رخت سفر میں بھی مشترک ہے ۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ ان دونوں مجموعوں کو ملا کر ایک مکمل مجموعہ شائع کر دیا جائے —

اصلاحات

اقبال کے ابتدائی کلام کے متنوں پر بھی بعض حضرات نے طبع آزمائی کی ہے اور بتایا ہے کہ ''اقبال کی وہ تمام نظمیں جو انہوں نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسوں میں پڑھیں اور بعد میں مختلف کتاب فروشوں نے متعدد ایڈیشنوں میں لاکھوں کی تعداد میں چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کر کے فروخت کیں، ان کے متن کا بھی بانگ درا سے مقابلہ کیا جائے تو بہت سی تبدیلیاں نظر آئیں گی ''۔ چنانچہ اس قسم کی نظموں کے متنی اختلافات پیش کرکے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال نے جو بعض الفاظ اور ترکیبیں بدل دی ہیں وہ اگر قائم رکھی جاتیں تو بہتر تھا اور بعض تبدیلیوں کو مناسب قرار دیا ہے ۔ ایک لحاظ سے یہ کوشش بھی بے کار نہیں ہے کہ اس سے اقبال کی شاعری کے تدریجی ارتقاء پر روشنی پڑتی ہے ۔ چنانچہ '' اقبال کی بعض نظموں کا ابتدائی متن ،، کے عنوان سے رسالہ ہمایوں بابت مئی سنہ ۱۹۵۱ع اور رسالہ اردو (کراچی) بابت اکتوبر سنہ ۱۹۵۳ع میں دو مضمون شائع ہوئے ہیں ۔

اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ''اصلاحات اقبال،، کے نام سے موجود ہے جو بشیرالحق صاحب دسنوی عظیم آبادی نے مرتب کی ہے اور مکتبۂ دین و دانش (بانکی پور، پٹنہ) سے شائع ہوئی ہے۔ پہلے یہ ایک مضمون کی صورت میں رسالۂ معارف میں چھپا تھا ۔ اس میں اقبال کی ۸۱ نظموں سے وہ اشعار نقل کئے ہیں جن میں اقبال نے اصلاح و ترمیم کی ہے اور دونوں کو بالمقابل دکھایا ہے۔

فارسی کلام

در دیدۂ معنی نگہاں حضرت اقبال
پیغمبرئی کرد و پیمبر نتواں گفت (گرامی)

اقبال کے ابتدائی دور کا کلام اردو زبان میں ہے ۔ لیکن سنہ ۱۹۰۸ع کے

بعد سے وہ اردو کو چھوڑ کر فارسی میں لکھنا شروع کر دیتے ھیں ۔ اس کی وجوہ پر اقبالیات میں بہت کچھ لکھا گیا ھے ، لیکن اقبال کی فارسی دانی اور اس زبان میں ان کی مہارت اور قدرت سخن کو تفصیل سے نہیں دکھایا گیا ۔ یورپ میں سب سے پہلے اس فارسی شاعری کا آغاز ھوتا ھے اور اس کی ابتدا کا واقعہ سر شیخ عبدالقادر مرحوم نے اپنے مقدمہ' بانگ درا میں بیان کیا ھے ۔ قیام یورپ کے زمانہ میں فارسی اشعار سنانے کی فرمائش پر اقبال کو فارسی میں لکھنے کی تحریک ھوئی ۔ صرف یہی وجہ ان کے فارسی کی طرف متوجہ ھو جانے کے لئے کافی نہیں ھے، بلکہ دو خاص وجوہ اور بھی ھیں ۔ ایک تو یہ کہ اس زبان میں صوفیانہ اور فلسفیانہ خیالات ادا کرنے کی صلاحیت ھے۔ دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ ھندوستان سے باھر دوسرے اسلامی ممالک میں ان کے خیالات کی نشر و اشاعت ھو سکے ۔ اس کے متعلق مولانا عبدالحق صاحب فرماتے ھیں :—

''شیخ صاحب نے جو کچھ فرمایا ھے اس میں جائے دم زدن نہیں ۔ بے شک یہی اسباب فارسی کی طرف ان کے میلان طبع کے ھوئے ھوں گے ۔ لیکن جس چیز نے مستقل طور پر فارسی میں کہنے کی طرف مائل کیا وہ وھی خیال ھے یعنی ملت اسلام کے افتراق و نفاق کو دور کرکے اسے ایک قومی جمیعت بنانا جس کی بنا خالص اسلام پر ھو، اسے کاھلی اور نکبت سے نکال کر عمل اور جد و جہد کی طرف مائل کرنا ۔ اھل ملت میں وہ سیرت اور خلوص پیدا کرنا کہ ایک ھاتھ میں دین اور دوسرے ھاتھ میں شمع ھدایت ھو اور بالاخر انہیں اقوام عالم کی سرداری اور امامت کے لیے آمادہ کرنا ،، (۱) ۔

(۱) تنقیدات عبدالحق، ص ۱۷

اور اس میں شک نہیں کہ اس فارسی شاعری نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ ان کے خیالات و افکار کو تمام اسلامی دنیا میں، جہاں فارسی کم و بیش متداول ہے، پہنچا دیا ۔ اس طرح یورپ والوں کو اس فلسفی شاعر کے کلام سے واقفیت حاصل ہوئی ۔ بعض لوگوں کو جو اقبال کے اردو کلام کے مداح تھے ان کے فارسی میں شعر کہنے پر افسوس ہوا، جیسا کہ ان کے دوست عبداللہ یوسف علی مرحوم نے لکھا ہے :۔

"تعمیری خیالات کی دنیا میں اقبال کے اعلیٰ رتبے° کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا ۔ افسوس صرف اس کا ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی اہم تصانیف اردو کو چھوڑ کر فارسی میں لکھیں" (۱) ۔

اقبال کی فارسی شاعری یکایک شروع نہیں ہو گئی بلکہ یہ نتیجہ تھی ان کے برسوں کے مطالعہ، تحقیق اور محنت و کاوش کا، اس کے متعلق ایک مرتبہ انہوں نے خود بھی فرمایا کہ :

"لوگوں کو تعجب ہوتا ہے کہ اقبال کو فارسی کیوں کر آگئی جب کہ اس نے اسکول یا کالج میں یہ زبان نہیں پڑھی ۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ میں نے فارسی زبان کی تحصیل کے لئے اسکول ہی کے زمانے سے کس قدر محنت اٹھائی تھی اور اساتذہ سے استفادہ کیا ہے" ۔ (۲)

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم اقبال کی مثنویوں (اسرار و رموز) پر انگریزی رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ (بابت اگست سنہ ۱۹۳۱ع) میں تبصرہ کرتے ہوئے اقبال کی فارسی شاعری کے متعلق رقمطراز ہیں :۔

---

(۱) انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، ص ۳۹۲، ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ۔ سنہ ۱۹۳۶ع ۔

(۲) مکاتیب اقبال حصہ اول، ص ۳۴۳ ۔

''بعض دفعہ اس ملک میں یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ آخر مثنویوں کو اردو کی بجائے فارسی میں لکھنے سے کیا فائدہ مترتب ہوگا ؟ اقبال ان لوگوں میں سے ہے جو گاہے گاہے ایک پیغام اور ایک مقصد کے ساتھ منصہ' شہود پر آتے ھیں ۔ اس کا پیغام تمام اسلامی دنیا کے لئے ہے ۔ ان کی مثنویاں بچوں کے مدارس میں سعدی کی گلستان کی طرح دھلی ، کابل ، طہران ، قاھرہ، قازان ، استنبول ، مدینہ اور مکہ کی جامع مسجدوں کے منبروں پر مثنوی مولانا روم کی جگہ استعمال کرنے کے لئے ہے،،(۱) ۔

فارسی میں لکھنے کا سبب خود اقبال نے اپنے شاعرانہ انداز میں یوں بیان کیا ہے جو ذوق اور وجدانی ہے :—

گرچہ هندی در عذوبت شکر است　　طرز گفتار دری شیریں تر است
فکر من از جلوہ اش مسحور گشت　　خانہ' من شاخ نخل طور گشت
پارسی از رفعت اندیشہ ام　　در خورد با فطرت اندیشہ ام
خردہ بر مینا مگیر ای هوشمند　　دل بذوق خوردۂ مینا بہ بند

(اسرار خودی)

فارسی شعر و فارسی شعر و ادب اقبال کا فطری ذوق تھا جو آخر غالب ادب میں اقبال ہو کر رھا ۔ اس لئے فرماتے ھیں کہ ''در خورد با فطرت اندیشہ ام،، کا درجہ

عام طور پر مانا جاتا ہے کہ مرزا غالب فارسی کے خاتم الشعراء تھے اور وہ خود بھی عرفی اور طالب کی جا نشینی کا فخر اپنی ذات سے منسوب کرنے میں انکساری نہ فرماتے تھے ۔ ناظم هروی نے عنصری سے لیکر جامی تک

(۱) نیرنگ خیال ، اقبال نمبر ، ص ۱۴۰

هر زمانے میں جو شاعر سر برآوردہ ہوا ہے اس کا ذکر ایک نظم میں کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے :۔

ز خسرو چو نوبت به جامی رسید
ز جامی سخن را تمامی رسید

مرزا غالب کا زمانہ آیا تو انہوں نے جامی کے بعد اپنے تک یوں سلسلہ ملا دیا ۔

ز جامی به عرفی و طالب رسید
ز عرفی و طالبؔ بـه غالب رسید

سید محمد علی صاحب داعی الاسلام پروفیسر نظام کالج حیدر آباد دکن نے اپریل سنہ ۱۹۲۸ع میں جامعہ معارف حیدرآباد کے ماہانہ جلسہ میں اقبال کی فارسی شاعری پر ایک لیکچر دیا تھا ۔ اس میں انہوں نے غالب کے شعر پر یہ اضافہ کیا :۔

چو غالب ز هندوستاں رخت بست بجائے وے اقبال دانا نشست
یقین داں سخن دانئی پاستان بماند به هندوستاں جاوداں (۱)

اسی طرح غالب سے لیکر ہمارے زمانہ تک فارسی کے جو شیوا بیان شاعر گزرے ہیں ان کے متعلق ہمارے ایک سخنور اور ایک سخن فہم دوست مولوی سید ابراهیم محب مرحوم ساکن بمبئی نے چند اشعار لکھے تھے جو حسب ذیل ہیں :۔

(۱) لیکچر کا اردو ترجمہ از تمکین کاظمی ، مطبوعہ نیرنگ خیال ، جولائی سنہ ۱۹۳۸ع -

چو غالب رها شد ز بند ملال خدیو سخن شد عزیز(۱) از کمال
سخن یافت چون از عزیز انصرام ملک گشت شبلی به ملک کلام
چو شبلی بشد سوے دارالسلام رسید از گرامی سخن را نظام
گرامی چو زیں لا بقا بست رخت سخن بہر اقبال آراست تخت

راقم نے ادارۂ معارف اسلامیه لاهور کے جلسه منعقدۂ اپریل سنه ۱۹۳۶ع میں علامه شبلی کی فارسی شاعری پر ایک مقاله پڑھا تھا اس میں یه اشعار نقل کرنے کے بعد لکھا تھا :—

"بلاشبه اس وقت هندوستان کے طول و عرض میں هم اقبال کے سوا کسی ایسے شخص سے واقف نہیں هیں جو فارسی ادب و شاعری کا صحیح اور پاکیزه مذاق رکھنے کے ساتھ هی اعلیٰ درجه کا شاعر بھی هو اور فارسی زبان دانی پر مجتہدانه عبور رکھتا هو ۔ لہذا یه کہنا قبل از وقت نه هوگا که اقبال پر فارسی شاعری کا خاتمه هو جائے گا ۔ اس لحاظ سے ان کو اس سلسله کی آخری کڑی سمجھنا چاهئے"۔(۲)

بعض ناقدین نے یه اعتراض کیا هے که اقبال کے فارسی کلام کے متعلق اهل زبان کوئی بلند رائے نہیں رکھتے ۔ لیکن ملک‌الشعراء بہار اور دوسرے ایرانی ادیبوں اور شاعروں نے اقبال کے کلام کو کلاسیکل مانا هے اور فارسی زبان میں ان کی مہارت اور دستگاہ کو تسلیم کیا هے ۔ تہران یونیورسٹی کے فارسی ادبیات و تنقید کے پروفیسر اور ملک‌الشعراء بہار کے جانشین ڈاکٹر حسین خطیبی نے اقبال کی فارسی زبان میں مہارت پر رائے زنی کرتے هوئے لکھا هے :—

(۱) خواجه عزیزالدین عزیز لکھنوی پروفیسر فارسی کیننگ کالج لکھنؤ
(۲) روئداد ادارہ معارف اسلامیه ، جلد ۲ ، ص ۱۲۹

"مرحوم اقبال با آنکه زبان فارسی را بدرس خوانده و در طول عمر پر ثمر خویش فرصت آنکه با اهل این زبان معاشرت داشته باشد، نیافته بود، بر اثر همین ممارست و تتبع چنان در زبان فارسی مهارت یافت که نتوانست دقیق ترین افکار عرفانی و مشکل ترین معانی فلسفی و علمی و اخلاقی را در قالب فصیح ترین الفاظ و کامل ترین ترکیبات زبان فارسی بریزد و با آسانی و روانی بیان کند و نه تنها از ایراد مضامین دشوار و لغات سست و کلمات نادرست احتراز جوید بلکه باستثنای مواردی معدود از جنبهٔ لفظی هم سبک خود را بهمان پایه اشعار قدیم فارسی استوار سازد و نگاه دارد و با کمال استادی از مضامین سخن و دشواری های کلام بیرون آورد ـ اشعار او لفظی یا ترکیبی یا نحوه استعمالی که از نظر اصول و قواعد زبان فارسی بتوان آن را مورد ایراد و انتقاد قرار داد، تقریباً دیده نه شود" (۱) ـ

ملک الشعراء بہار نے تو عہد حاضر کو "عصر اقبال" سے تعبیر کیا ہے اور ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے :ـ

عصر حاضر خاصهٔ اقبال گشت
واحدی کز صد هزاران بر گزشت
هیکلی گشت از سخن گوئی بپا
گفت کل‌الصید فی جوف الفرا
شاعران گشتند جیش تار و مار
وین مبارز کرد کار صد سوار (۲)

(۱) رومیٔ عصر از خواجه عبدالمجید عرفانی ، صفحه ۱۵۶
(۲) اقبال نامه (ضمیمه مجلهٔ دانش) تهران سنه ۱۳۳۰ھ

اقبال کو فارسی ادب سے کس قدر ذوق تھا اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے جرمنی ادب پر ایرانی شعراء کے اثرات کا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ پیام مشرق کی تصنیف اس مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ جرمنی ادب میں مشرقی تحریک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ جرمن شعراء نے جس حد تک عجمی شعراء کی خوشہ چینی کی ہے اور ان کی تقلید میں مشرقی تخیل سے کام لے کر اپنے ادبیات میں جو رنگینی پیدا کی ہے ،اس کا مختصر خاکہ اقبال نے پیام مشرق کے دیباچہ میں پیش کیا ہے۔ ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا اور نہ سامان جس سے وہ اس مطالعہ کی تکمیل کر کے ایک مفصل تبصرہ لکھتے۔ اس لئے ان کی یہ آرزو تھی کہ کوئی اور شخص اس کام کو انجام دے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :—

> ''مشرقی تحریک کی پوری تاریخ لکھنے اور جرمن شعراء کا تفصیلی مقابلہ کرکے عجمی اثرات کی صحیح وسعت معلوم کرنے کے لئے ایک طویل مطالعہ کی ضرورت ہے جس کے لئے نہ وقت میسر ہے نہ سامان۔ ممکن ہے یہ مختصر خاکہ کسی نوجوان کے دل میں تحقیق و تدقیق کا جوش پیدا کرے۔'' (۱)

جہاں تک معلوم ہے اب تک اس علمی و ادبی کام کو کسی نے انجام نہیں دیا۔

اقبال کی فارسی شاعری کے سلسلہ میں یہ دکھانا ضروری ہے کہ وہ فارسی شعراء میں سے کس کس سے زیادہ متاثر ہوئے اور کہ ان کے محبوب شعرا کون کون ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے ''تشریح اقبال'' (۲) اور

---

(۱) دیباچۂ پیام مشرق (ی۔ ک)

(۲) آثار اقبال ، ص ۲۶۱

''اقبال کے محبوب شعراء،،(۱) کے عنوان سے دو مضمون تحریر کئے ھیں۔

اقبال اور گرامی

فارسی کے مشہور شاعر غلام قادر گرامی سے اقبال کے گہرے تعلقات رھے ھیں ۔ دونوں ایک دوسرے کے کلام کے مداح اور قدر شناس تھے ۔ گرامی اگرچہ خود بہت پختہ مشق اور خوش گو شاعر تھے، لیکن اقبال کی مفکرانہ شاعری سے بہت متاثر تھے ۔ چنانچہ انہوں نے اقبال پر ایک نظم لکھی ھے جو بعنوان ''اقبال گرامی کی نظر میں،، ان کے دیوان میں درج ھے :—

درس ماضی از کتاب حال گیر ساغر از خمخانۂ اقبال گیر
حضرت اقبال آن بالغ نظر دارد از بود و نبود ما خبر
ما بذوق سوختن کم ساختیم بیخودی را از خودی نشناختیم
آن نوا پرداز اسرار ازل شہسوار عرصۂ علم و عمل
بیخودی را در خودی منزل شناس در غبار کاروان محمل شناس
از نوایش بزم یورپ در خروش حکمت امریکہ او را سفتہ گوش
نالہ ھائے آتشین آں حکیم سوخت رخت فتنۂ امید و بیم

ساخت بادلہا و بودش ھیچ نیست
سوخت دلہا را و دودش ھیچ نیست (۲)

اپنی ایک غزل کے آخر میں اقبال کے متعلق کہتے ھیں : —

در دیدۂ معنئی نگہاں حضرت اقبال
پیغمبرئی کرد و پیمبر نتواں گفت (۳)

---

(۱) اقبال کامل ، ص ۱۶۴
(۲) دیوان گرامی ، ص ۱۵۷ ، مطبوعہ لاھور
(۳) ایضاً ، ص ۳۱

اسی طرح ایک اور غزل میں اقبال کے ایک مصرعہ کی اس طرح تضمین کی ہے :-

جام جم گیر کہ در میکدہ خوش گفت اقبال
"قسمت بادہ باندازۂ جام است اینجا"

اپنی ایک نظم میں اقبال کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

حکمت آموز حال و استقبال وہ چہ علامہ ایست سر اقبال
می دھد جلوہ حال را در قال گوئٹے را جواب سر اقبال (۱)

اقبال نہ صرف گرامی سے داد سخن لیتے بلکہ کبھی کبھی مشورۂ سخن بھی کرتے رہے ہیں ۔ اقبال نے جب یہ مصرعہ موزوں کیا :

کشتۂ انداز ملا جامیم

تو دوسرا مصرعہ نہ بن سکا ۔ گرامی نے اس پر یہ مصرعہ چسپاں کر دیا :

نظم و نثر او علاج خامیم

اسی طرح اقبال جب اس مصرعہ پر پہنچ کر رک گئے :

زندہ حق از قوت شبیری است

تو گرامی نے یہ دوسرا مصرعہ بہم پہنچایا :

باطل آخر داغ حسرت میری است

یکتا صاحب امروھی نے اقبال کو گرامی کا باقاعدہ شاگرد بتایا ہے اور بعض واقعات سے اس کو ثابت کرنا چاہا ہے (۲) ۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

(۱) دیوان گرامی ، ص ۳۸ و ۱۲۱
(۲) خضر راہ (سیرت اقبال) از یکتا حقانی امروھوی، ص ۱۷۶، نایاب پریس دھلی

اقبال کے مکاتیب اور ان کے بعض ہم نشینوں سے صرف اسی قدر معلوم ہوا ہے جتنا کہ ہم نے لکھا ہے ۔

اقبال اور آرٹ

اقبال کی شاعری کے سلسلہ میں ان کے نظریۂ فن پر بھی بعض اہل قلم نے توجہ کی ہے ۔ آرٹ کے متعلق ان کے خیالات و افکار زیادہ تر ان کی اردو فارسی نظموں میں پائے جاتے ہیں ۔ نیز ان کے مکاتیب بھی اس پر کافی روشنی ڈالتے ہیں ۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے اپنی کتاب روح اقبال میں ''اقبال اور آرٹ،، کے عنوان سے ایک مفصل باب میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اقبال کے کلام سے جا بجا مثالیں پیش کی ہیں(۱)، لیکن اس میں زیادہ تر اقبال کے آرٹ یعنی شاعری سے بحیثیت فن بحث کی ہے اور مختصراً ان کے نظریۂ فن کی وضاحت بھی کی ہے۔ اس مبحث پر عزیز احمد صاحب کا مبسوط مقالہ قابل ذکر ہے جو بعنوان ''اقبال کا نظریۂ فن،، رسالہ اردو بابت جولائی سنہ ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا ہے ۔ اسی طرح پروفیسر کلیم الدین احمد نے ایک مضمون اقبال کے ''تصور فن ،، پر انگریزی میں قلمبند کیا ہے جو کتاب Iqbal As a Thinker کے مجموعۂ مضامین میں شائع ہوا ہے(۲)، لیکن یہ بھی اقبال کے نظریۂ فن شاعری تک محدود ہے ۔ ان کے نزدیک اقبال کا تصور فن بہت محدود ہوگیا ہے، اس لئے کہ ان کے مسئلۂ خودی نے اس پر تعصب کا رنگ چڑھا دیا ہے ۔ پھر چونکہ تنقید فن سے متعلق ان کے افکار نثر میں نہیں بلکہ نظم میں ہیں، اس لئے ان کا خیال ہے کہ ان کے تنقیدی نظریات کو تا وقتیکہ وہ بالکل واضح اور قطعی نہ ہوں، پیش نہیں کیا جا سکتا ۔ پھر بھی وہ کہتے ہیں کہ فن سے متعلق اقبال کے خیالات ان کے مخصوص فکری تعصبات سے

---

(۱) دیکھو ص ۱۷ تا ۱۱۲

(۲) صفحہ ۲۶۵ تا صفحہ ۲۸۴ مطبوعہ محمد اشرف لاہور سنہ ۱۹۴۴ء

قطع نظر ان لوگوں کو ناآشنا نہ معلوم ہوں گے جو مغربی تنقید سے واقف ہیں۔ لیکن صاحب مضمون جس چیز کو اقبال کے ''فکری تعصب،، سے موسوم کرتے ہیں وہ ایک مغربی نقاد کی نظر میں ایک زبردست فنی شاہکار ہے۔ یورپ کا مستند نقاد فن ہر برٹ ریڈ '' اسرار خودی ،، کے متعلق لکھتا ہے۔

'' والٹ وھٹمین کا نصب‌العین اس اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ وہ نظری نہیں بلکہ عملی ہے۔ صرف ایک شاعر ایسا ہے جس کے ہاں یہ چیز نظر آتی ہے اور وہ بھی ہماری نسل اور قوم سے نہیں۔ میری مراد محمد اقبال سے ہے جن کی نظم اسرار خودی کا ترجمہ رینالڈ نکلسن نے کیا ہے . . . . ادھر ہمارے ملک کے متشاعر تو کیٹس کے زمانہ کی پرانی ڈگر پر چلے جا رہے ہیں اور ادھر لاہور میں ایک ایسی نظم شائع ہو رہی ہے جس نے ہندوستان کے مسلمان نوجوانوں پر پوری طرح تسلط کر لیا ہے۔ تم پوچھوگے کہ آخر اس میں کون سی ایسی ظاہری کشش ہے جس نے لوگوں کے دل اپنی طرف کھینچ لیے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ اس قسم کی کسی ظاہری کشش کا سرھون منت نہیں جو مبلغوں اور دنیا کو نجات کا پیغام دینے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہ اعجاز ایک نظم نے دکھایا ہے جس کے حسن و جمال کے آئینہ میں فلسفۂ جدید کے اکثر پہلو منعکس نظر آتے ہیں۔ لیکن ان میں اتحاد پایا جاتا ہے اور اس کی منطق ساری کائنات کے لیے آواز غیب کا حکم رکھتی ہے ،، ۔ (۱)

اقبال اور آرٹ پر پروفیسر عابد علی عابد کا ایک مقالہ ہے جو

(۱) نیرنگ خیال ، اقبال نمبر، ص ۸۵-۸٦

یوم اقبال منعقدہ' سنہ ۱۹۳۸ء میں پڑھا گیا تھا اور جو سنہ ۱۹۴۸ء میں علیحدہ کتابی صورت میں دوبارہ شائع ہوا ہے - ۳۸ صفحوں کے اس مقالہ میں اقبال کے نظریہ' فن کا سرسری اور مختصر جائزہ لیا گیا ہے - مسٹر روپ کرشنا کا انگریزی رسالہ زیادہ تر اقبال کی شاعری اور اس کے آرٹ پر ہے - ان کے علاوہ چند اور مضامین بھی اس موضوع پر نکلے ہیں جو صحافتی قسم کے ہیں اور ان میں کوئی گہرائی نہیں ہے -

جہاں تک اسلامی آرٹ کا تعلق ہے اقبال اسلام میں فنون لطیفہ کے قائل نہیں تھے اور اس بنا پر وہ مصوری اور موسیقی کو غیر اسلامی سمجھتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا :-

"اسلامی موسیقی کا کوئی وجود ہی نہیں- اس وقت تمام اسلامی ممالک میں اپنا اپنا مقامی فن موسیقی رائج ہے - مسلمان جہاں جہاں پہنچے وہیں کی موسیقی انہوں نے قبول کرلی اور کوئی اسلامی موسیقی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی ، بلکہ یہ واقعہ ہے کہ فن تعمیر کے سوا فنون لطیفہ میں سے کسی میں بھی اسلامی روح نہیں آئی ،، (۱)

اسی بنا پر انہوں نے مرقع چغتائی پر اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ اسلامی آرٹ اب تک پیدا نہیں ہوا -

آرٹ کے مضر اثرات کے متعلق انہوں نے فرمایا کہ "بعض قسم کا آرٹ قوموں کو ہمیشہ کے لیے مردہ بنا دیتا ہے، چانچہ ہندو قوم کی

---

۱) ملفوظات، ص ۱۲۵

تباهی میں اس کے فن موسیقی کا بہت حصہ رہا ہے،، (۱) - موسیقی کی بابت لکھتے ہیں :—

نغمۂ او خالی از تار حیات — همچو سیل افتد بدیوار حیات
از نئے او آشکارا راز او — مرگ یک شہر است اندر ساز او
ناتوان و زار می سازد ترا — از جہاں بیزار می سازد ترا
الحذر ایں نغمۂ موت است و بس — نیستی در کسوت موت است و بس

اس بارے میں ان کا یہ اردو شعر بہت مشہور ہے-

آ تجھ کو بتادوں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

بعینہ یہی خیال مشہور فلسفی مورخ ابن خلدون کا ہے۔ وہ فنون لطیفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے :—

وهذه الصناعة (الموسیقی) آخر مایحصل فی العمران من الصنائع لانها کمالیة فی غیر وظیفة من الوظائف الا وظیفة الفراغ والفرح وهو ایضاً اول ماینقطع من العمران عند اختلاله و تراجعه - (۲)

اور فنون میں سے یہ فن (موسیقی) انسانی تمدن کے اخیر میں حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ (انسانی) وظائف میں سے کوئی وظیفہ نہیں مگر فرصت اور تفریح کا جو کمال کو پہنچ جاتا ہے اور یہی فن تمدن کے زوال اور انحطاط کے وقت سب سے پہلے اس سے جدا ہو جاتا ہے -

---

(۱) ملفوظات
(۲) مقدمہ ابن خلدون ، ص ۴۲۸ ، طبع مکتبہ التجاریہ بمصر

اقبال کے فلسفہ میں نظریۂ فن ایک خاص اہمیت، رکھتا ہے اور اس لیے اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے ۔

اقبال کے فن شاعری اور اس کے کمالات پر اہل علم ، شاعروں ، ادیبوں اور نقادوں نے کافی اظہار خیال کیا ہے۔ یہاں ہم اردو کے ایک مشہور ادیب کی رائے نقل کرتے ہیں جو اس باب میں جامع اور مانع ہے۔ پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی لکھتے ہیں :—

"اقبال کی شاعری خود شاعری کی معراج ہے۔ انہوں نے جذبات کو فکر کا درجہ دے دیا ہے اور فکر کو جذبات کا آب و رنگ بخشا ۔ دونوں صورتوں میں اقبال کا آرٹ و ایقان دوش بدوش کار فرما ملتا ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کا کلام پڑھ کر ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اقبال کہاں تک حکیم اور کہاں اور کس حد تک شاعر ہیں ۔ بلکہ حکیم اور (البتہ کہیں حکیم پہلے اور شاعر بعد میں اور کبھی اس کے خلاف لیکن بالاخر دونوں) ایک دوسرے میں یا ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں اور یہی اقبال کا آرٹ ہے،، (۱)

مطالعۂ اقبال

اقبال کا فلسفیانہ کلام ان کی مخصوص اصطلاحات ، موزوں اشارات اور علمی و ادبی تلمیحات سے بھرا ہوا ہے ۔ علاوہ ازیں اس میں اسلامی اور مغربی فلسفہ کی اصطلاحات، آیات قرآنی، احادیث، مشاہیر حکما اور علمائے سلف کے اقوال جا بجا استعمال ہوئے ہیں اور کئی علمی مسائل کے حوالے اور اشارات پائے جاتے ہیں جن کا سمجھنا دشوار ہے۔ لہٰذا ان کی تصریح اور توضیح کے خیال سے بعض حضرات نے اقبال کے کلام

---

(۱) گنجہائے گرانمایہ ، ص ۱۸۲

کی شرحیں لکھی ہیں جو زیادہ تر درسی اور عمومی قسم کی ہیں ۔ اقبال کا مطالعہ ان کے خیالات اور افکار کے پس منظر اور اصول موضوعہ سے گہری واقفیت چاہتا ہے۔ اس سلسلہ میں سید نذیر نیازی صاحب کا رسالہ ''اقبال کا مطالعہ،، (۱) نہایت مفید اور کارآمد ہے ۔ ''کلام اقبال کی دقتیں اور ان کی تشریح کی ضرورت،، کے عنوان سے ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے ایک مفصل اور پر از معلومات مقالہ لکھا ہے جو رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے دو نمبروں (مارچ و اپریل سنہ ۱۹۴۴ع) میں شائع ہو چکا ہے ۔ اس مضمون میں انہوں نے نہ صرف مطالعۂ اقبال کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا ہے بلکہ اس راہ میں جو دقتیں اور مشکلات حائل ہیں ان کا حل بھی پیش کیا ہے ۔ انہوں نے اقبال کی حکیمانہ اصطلاحات و تراکیب مضامین و معانی، اقبال کی شخصیتوں ، تضمینات ، امکنہ ، استعارات و مجازات ، فرضی مقامات ، علمی مسائل کی تشریح ، اقبال کے سر چشمہ ہائے فیض وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مثالیں دی ہیں اور ان امور پر سیر حاصل بحث کی ہے ۔ مطالعۂ اقبال کے لئے انہوں نے مندرجۂ ذیل امور پر کتابیں لکھوانے کی تجویز پیش کی ہے ۔

(۱) فرہنگ مشکلات اقبال (۲) مبادئ اقبال کی تشریح (۳) اقبال کے مآخذ و اطراف کا مطالعہ اور تجزیہ (۴) مسائل عظیمۂ اقبال کی تشریح (۵) مطالعۂ اقبال کی نہایات و غایات (۶) دائرۃ المعارف اقبال ۔

اقبال کے کلام کی تشریح کے سلسلہ میں اب تک جو کام ہوا ہے وہ کچھ زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے ۔ اہل قلم کی ضروریات اور ناشرین کی تجارتی اغراض اکثر ایسے علمی کاموں کو اعلیٰ علمی پیمانے پر انجام دینے میں حارج ہوتی ہیں —

---

(۱) ۔ اقبال کا مطالعہ (کتب خانہ پنجاب لاہور سنہ ۱۹۴۱ع)

کلام اقبال کی شرحیں

اب تک اردو میں کلام اقبال کے مختلف مجموعوں کی مندرجہ ذیل شرحیں شائع ہو چکی ہیں:

(۱) شرح اسرار خودی از پروفیسر یوسف سلیم چشتی (سلسلہ مطبوعات اقبال اکیڈیمی لاہور نمبر ۴)

(۲) شرح بانگ درا از پروفیسر یوسف سلیم چشتی

(۳) شرح ضرب کلیم ,,

(۴) شرح بال جبریل ,,

(۵) شرح ارمغان حجاز مع حل لغات ۔ سنہ ۱۹۳۸ع

(۶) شرح جاوید نامہ از مولوی صبغۃ اللہ بختیاری

اشارات و تلمیحات پر حسب ذیل کتابیں چھپ گئی ہیں:

(۱) تلمیحات اقبال از فضل الٰہی عارف

(۲) اشارات اقبال از عبدالرحمن طارق لاہور سنہ ۱۹۴۸ع

(۳) رموز اقبال از ڈاکٹر میر ولی‌الدین ، ادارۂ نشریات اردو حیدرآباد دکن ۱۹۴۴ع ۔

ان شرحوں کا انداز زیادہ تر درسی اور نصابی ہے ، کیونکہ اقبال کی بعض مثنویاں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصابات میں داخل ہیں ۔ پھر بھی اقبال کے افکار و خیالات کو سمجھنے میں ان سے ایک حد تک مدد مل سکتی ہے۔

باب سوم

اقبال بحیثیت مفکر

مرا بنگر که در هندوستان دیگر نمی بینی
برهمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

علامہ اقبال کے رجحانات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے ان کے اسلامی معتقدات اور ذہنی تاثرات سے واقفیت حاصل کی جائے ۔ خود انہوں نے بھی لکھا ہے کہ ”میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے حقائق اسلامیہ کا مطالعہ ضروری ہے“ (۱) ۔

اقبال کے مطالعۂ اسلام کے متعلق بعض مضمون نگاروں نے یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ وہ عربی سے ناواقف تھے (۲) جس سے ان کی مراد غالباً یہ ہے کہ انہوں نے اسلام پر اصل عربی کتابوں کا مطالعہ براہ راست نہیں کیا تھا۔ اقبال کی فارسی عربی کی تعلیم گو مقررہ درس نظامیہ کے مطابق نہ ہوئی لیکن یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے علوم اسلامیہ اور عربی فارسی میں مولانا میر حسن سے کافی استفادہ کیا تھا جو اپنے زمانے کے ایک جید عالم تھے اور علوم اسلامیہ و السنۂ مشرقیہ پر کافی عبور رکھتے تھے ۔ لندن میں اپنے استاد

---

(۱) مکاتیب حصہ دوم ، ص ۳۱۴

(۲) اقبال کی شاعری از عبدالمالک آروی ص ۳۵ ۔ مؤلف نے لکھا ہے کہ ”ہمارے شاعر نے عربی زبان کی طرف توجہ نہیں کی“ اور آگے چل کر فرماتے ہیں ”ابن عربی کے صوفیانہ افکار و آرا کا ممکن ہے ڈاکٹر نکلسن کی وساطت سے ان کو علم ہوا ہو“ ۔

ڈاکٹر آرنلڈ کی جگہ چھ مہینے تک انہوں نے عربی کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا تھا جب کہ اول‌الذکر اتنی مدت کے لئے مصر کی یونیورسٹی میں اپنے خطبات دینے گئے تھے۔ وہاں انہوں نے کیکسٹن ہال میں لیکچر دئے تھے جن میں سے پہلا لیکچر عام طور سے نامی اخبارات میں نقل ہو کر شائع ہوا تھا (۱)۔ اسلام پر مستشرقین کی کتابیں جرمن اور انگریزی زبان میں انہوں نے پڑھی تھیں، گو وہ ان کی تصانیف سے مطمئن نہ تھے۔ انہوں نے اسلام کے دینی مسائل کا مطالعہ براہ راست عربی کتابوں سے کیا تھا، خصوصاً تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کی کتابیں اصل عربی میں پڑھی تھیں اور صدرا اور شمس بازغہ جیسی فلسفہ کی اونچی کتابیں پڑھ سکتے تھے، جیسا کہ ان کے بعض خطوط اور تحریروں سے پتہ چلتا ہے۔ فلسفہ اور کلام کی قدیم کتابوں پر ان کی نظر تھی اور وہ اسلامی شریعت اور فقہ کے غوامض اور ادق مسائل سے واقفیت رکھتے تھے جیسا کہ ان کے خطبات شہادت دیتے ہیں۔ البتہ عربی ادب سے ان کو کوئی خاص شغف نہیں معلوم ہوتا، تاہم شعرائے متصوفین میں منصور حلاج، محی‌الدین ابن‌العربی، ابن الفارض اور فلسفی شاعر ابوالعلاء المعری کے کلام سے ان کا استفادہ براہ راست معلوم ہوتا ہے۔

اقبال اور اسلام

اقبال کے آبا و اجداد کشمیری برہمن تھے۔ کوئی سوا دو سو برس سے یہ خاندان مشرف باسلام ہو چکا تھا اور اس وقت سے اسلام کی محبت ان کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی تھی۔ ان کے والدین بڑے با خدا اور سچے مسلمان تھے۔ ان کے جو حالات خود اقبال نے بیان کئے ہیں ان سے ان کے جذبۂ اسلامی اور پختہ اعتقادات کا پتہ چلتا ہے۔ اقبال کی اسلامی زندگی بنانے میں ان کے والدین کی تربیت کو بہت بڑا دخل تھا۔ اس کے متعلق اکبر الہ‌آبادی فرماتے ہیں :—

---

(۱) Iqbal: His Art and Thought.

حضرت اقبـال میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں
قوم کی نظریں جو ان کے طرز کی شیدا ہوئیں
یہ حق آگاہی، یـہ خوش گوئی، یـہ ذوق معرفت
یـہ طریق دوستی، خـود دارئی بـا تمکنت
اس کے شاھد ھیں کہ ان کے والدین ابرار تھے
با خدا تھے، اھل دل تھے، صاحب اسرار تھے (۱)

والدین کی تربیت کے علاوہ اعلیٰ تعلیم، وسیع مطالعہ اور غور و فکر نے ان کے دل و دماغ کو صحیح راستے پر لگا دیا۔ فلسفہ' یورپ کی تحصیل کے ساتھ قرآن میں فکر و تدبر اور اسلامی روایات کے گہرے مطالعے نے ان پر ثابت کردیا کہ بنی نوع انسان کے لئے اگر کوئی عالم گیر مذھب ھو سکتا ھے تو وہ اسلام ھی ھے اور اسی میں دنیا کی تمام امتوں کی فلاح و بہبود اور نجات کا راز مضمر ھے۔ اس لئے وہ قومیت اور وطنیت کے فروتر احساسات و جذبات سے بلند ھو کر اسلام کے اعلیٰ اصولوں کی نشر و اشاعت میں لگ گئے۔ ان کی شاعری، ان کا فلسفہ، ان کا تصوف، ان کی سیاست تمام اسلامی رنگ میں رنگ گئے۔ اس طرح ٹھیٹھ اسلامی تصورات اور نظریات نے اقبـال کو ایک خاص نظام فکر قائم کرنے پر آمادہ کیا۔ انہوں نے اپنا بلند ترین مطمح نظر قرآن پاک کی تعلیمات کو قرار دیا جس کو بعض تنگ نظر حاملین مذھب نے محدود بنا کر غیر اسلامی رنگ میں پیش کیا تھا۔ اقبـال سے پہلے بھی بعض بلند نظر شخصیتوں نے عالم اسلام میں اصلاح حال اور جدید فکر کے لئے لائحہ' عمل تیار کیا تھا۔ علامہ جمال‌الدین افغانی، مفتی عبدہ مصری، سر سید احمد خاں وغیرہ نے ھم مسلمانوں کے اندر صحیح اور سچی اسلامی روح پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن انہوں نے زیادہ تر ترقی یافتہ قوموں یا اھل مغرب کی ترقی کو معیار کے طور پر پیش نظر رکھا تھا لہذا ان کی

(۱) کلیات اقبال مرتبہ عبدالرزاق، ص ۲۰ (یہ ۸ شعر کی نظم ھے)

تحریرات سے وہ اثر پیدا نہ ہو سکا جو اقبال نے اپنے شاعرانہ خیالات و افکار سے پیدا کر دیا۔ اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ اقبال نے بلا امتیاز نسل و ملت اور قوم و وطنیت صرف قرآن کے حقائق کو پیش کیا ۔ دنیا کے تمام مذاہب اور ملتوں کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو تمام دنیا کے انسانوں کو متحد کر سکتی اور ان کی دنیوی اور آخروی نجات کا باعث بن سکتی ہے۔ اقبال کی اس خصوصیت کو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے :۔

''وہ جو کچھ سوچتا تھا قرآن کے دماغ سے سوچتا تھا ۔ جو کچھ دیکھتا تھا قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا۔ حقیقت اور قرآن اس کے نزدیک شے واحد تھی، اور اس شے واحد میں اس طرح فنا ہو گیا تھا کہ اس دور کے علماء دین میں بھی مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو فنائیت فی القرآن میں اس امام فلسفہ اور اس ایم اے ۔ پی ایچ ۔ ڈی ، بار۔ ایٹ لا سے لگا کھاتا ہو،، ۔ (۱)

اقبال کی شاعری تمام تر قرآنی تعلیمات پر مبنی اور اس کا پس منظر قرآن ہی قرآن ہے اور اس لحاظ سے خلیفہ عبدالحکیم صاحب کا یہ جامع اور مانع قول اس صداقت کو واضح کرتا ہے کہ ''اقبال قرآن کا شاعر ہے اور شاعر کا قرآن ہے،، ۔ (۲)

اقبال کے متعلق عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یورپ کے قیام، وہاں کی اعلیٰ تعلیم اور فلاسفۂ یورپ کے افکار سے استفادہ نے اقبال کی نظر میں وسعت پیدا کردی ۔ یہ صرف اقبال کے ہم مذہب اور ہم وطن اصحاب کا ہی خیال نہیں ہے بلکہ عام طور پر مغربی مصنفین (مثل آرنلڈ ۔ نکلسن ۔ گب وغیرہ) اور خود ان کے سیرت نگار اور عقیدت مند بھی تسلیم کرتے ہیں بلکہ

---

(۱) جوہر کا اقبال نمبر، صفحہ ۳۷

(۲) ملفوظات مرتبہ محمود نظامی، ص ۱۳۷، بحوالۂ جناب حفیظ ہوشیارپوری

بعض حضرات نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اقبال کے افکار کی بنیاد ہی تمام تر مغربی مفکرین پر ہے۔ اس سے زیادہ غلط بیانی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ قیام یورپ کے دوران میں اپنے مغربی اساتذہ سے فلسفہ میں انہوں نے بہت کچھ استفادہ کیا اور ان ارباب فکر کی صحبتوں سے بہت کچھ حاصل کیا، لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اقبال کی فکر کا منبع اور ان کے فیض کا سر چشمہ تمام تر فلاسفۂ مغرب کی تصانیف ہیں کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ یورپ سے ان کو اپنا نظام فکر قائم کرنے میں ضرور مدد ملی ہے، لیکن باقی جو کچھ ہے وہ ان کی اپنی متاع ہے۔ اور خود ان کی تحریروں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ اخذ کیا ہے وہ سب قرآن حکیم سے کیا ہے۔ آنچہ کردم همه از دولت قرآن کردم۔

رموز بیخودی میں اقبال نے حلفیہ بیان کیا ہے کہ ان کا لفظ لفظ قرآنی تعلیمات پر مبنی ہے نہ کہ جرمن فلسفہ پر۔ فرماتے ہیں :۔

گر دلم آئینۂ بے جوہر است — ور بحرفم غیر قرآن مضمر است
ای فروغت صبح اعصار و دہور — چشم تو بینندۂ ما فی الصدور
پردۂ ناموس فکرم چاک کن — ایں خیاباں را زخارم پاک کن
تنگ کن رخت حیات اندر برم — اہل ملت را نگہدار از شرم
خشک گرداں بادہ درانگور من — زہر ریز اندر مئی کافور من
روز محشر خوار و رسوا کن مرا — بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

یورپ میں انہوں نے جو کچھ دیکھا اور سیکھا اور محسوس کیا اس سے اسلامی اصول اور حقائق قرآنی پر ان کا ایمان اور ایقان اور بھی پختہ اور مضبوط ہو گیا اور وہ بیش از بیش اپنے قرآنی مشن کے لئے تیار ہو گئے۔ ہندوستان میں ان کے مذہبی افکار نے ایک منظم تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ اس جدید اقبالی تحریک کے متعلق ان کے استاد ڈاکٹر آرنلڈ نے اپنی مختصر کتاب The Faith of Islam (مذہب اسلام) میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے :۔

''ہندوستان میں یہ جدید مذہبی تحریک سر محمد اقبال کی شاعری میں بڑی شان سے نمودار ہوئی۔ اقبال مغربی فلسفہ کے ایک کھرے اور مستعد طالب علم ہیں، فلسفیانہ افکار کے موجودہ ارتقاء سے باخبر اقبال نے برگساں اور نیطشے کے افکار کو اپنے نظریات میں منتقل کیا ہے۔ لیکن سر محمد اقبال علم و فضل اور وسیع مطالعہ و تحقیق کے ساتھ محض دوسروں کی آواز بازگشت نہیں ہیں۔ یہاں ہمیں ان کے فلسفیانہ افکار سے سروکار نہیں ہے بلکہ محض مذہب اسلام کی طرف ان کے رجحانات سے بحث ہے۔ چنانچہ اپنی شاعری میں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات سے والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی سب باتوں سے بڑھ کر پیغمبر عمل کی حیثیت سے تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ آپ کی تعلیمات مثالی معاشرہ کی بنیاد ہیں اور یہ کہ خودی کی قوت اظہار اور استقرار و ارتقائے ذات کے ذریعہ ہی سے عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوگی۔ جتنا کہ ہر مسلمان اپنے آپ کو ایک مکمل شخصیت بنانے میں کوشاں ہوگا اتنا ہی وہ دنیا میں اسلام کو ترقی دے گا۔ عمل کی اس عظمت کا سبق جو سیرۃ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حاصل ہوتا ہے اس میں اس سکون کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے جو اسلامی تصوف کا ایک مخصوص پہلو ہے اور جس کے اقبال سخت مخالف ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان نوجوان طبقہ پر ان کا کافی اثر ہے۔ مگر طبعاً اس فلسفیانہ شکل سے جس میں ان کی تعلیمات پیش کی گئی ہیں، یہ اثر کسی منظم مذہبی تحریک کی بنیاد نہیں بن سکا اور نہ کسی حد تک اس مصنف کا یہ مقصد ہے،، (۱)۔

---

(۱) The Faith of Islam از سر طامس ڈبلیو آرنلڈ، ص ۷۶-۷۷، لندن سنہ ۱۹۲۸ع

اس زمانے میں جب کہ اقبال کی مثنویاں (اسرار و رموز) شائع ہوئی تھیں تو پڑھے لکھے طبقہ میں بڑی ہلچل مچ گئی تھی اور ہندوستان کی اسلامی فضا اس تجدید کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ جن لوگوں کے دلوں میں اقبال کی قرآنی تعلیم اور ان کے سچے اسلامی خیالات و افکار کی قدر و منزلت تھی انہوں نے ان کی اس اسلامی جرأت و صداقت اور دینی خدمت پر صدائے آفریں و مرحبا بلند کی اور خشک طبیعت، نام نہاد مذہب کے اجارہ داروں نے اس پر ناک بھوں چڑھائی اور بعض نے تو ان کا رد لکھنے کی ٹھانی ۔ بعض برخود غلط مدعیان تعلیم قرآن جو اپنی ''تجدید اسلام،، کی خدمات پر نازاں تھے صم بکم بلکہ عمی بنے رہے ۔ البتہ ان کے بعض حواریوں نے یہ کوشش کی کہ اس جدید اسلامی تحریک کی اہمیت کو گھٹائیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۸ع میں جب مولوی ابوالکلام صاحب کی کتاب تذکرہ شائع ہوئی تو اس کے دیباچہ میں اس کے مرتب نے اقبال کی مثنویوں کو بھی لپیٹ میں لے لیا اور لکھا کہ :—

> ''ڈاکٹر اقبال کا مذہبی عقائد میں پھپھلا حال جو کچھ سنا ہے اس کے مقابلہ میں اب ان کی فارسی مثنویاں دیکھتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے۔ اسرار خودی اور رموز بے خودی فی الحقیقت الہلال کی صدائے باز گشت ہیں،، ۔(۱)

یہ کتاب جب علامہ اقبال کی نظر سے گزری اور انہوں نے دیباچہ میں مولوی فضل الدین احمد کی یہ تحریر اپنے متعلق پڑھی تو ان کو اس غلط بیانی پر افسوس ہوا۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی کو اپنے مکتوب مورخہ ۱۰ نومبر سنہ ۱۹۱۹ع میں لکھتے ہیں :—

(۱) تذکرہ ۔ دیباچہ ۔

"مولانا ابوالکلام کا تذکرہ آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ بہت دلچسپ کتاب ہے مگر دیباچہ میں مولوی فضل الدین احمد لکھتے ہیں کہ 'اقبال کی مثنویاں تحریک الہلال کی آواز بازگشت ہیں'۔ شاید ان کو معلوم نہیں کہ جو خیالات میں نے ان مثنویوں میں ظاہر کئے ہیں ان کو برابر ۱۹۰۷ء سے ظاہر کر رہا ہوں۔ اس کے شواہد میری مطبوعہ تحریریں، نظم و نثر، انگریزی و اردو موجود ہیں جو غالباً مولوی صاحب کے پیش نظر نہ تھیں۔ بہر حال اس کا کچھ افسوس نہیں کہ انہوں نے ایسا لکھا۔ مقصود اسلامی حقائق کی اشاعت ہے نہ کہ نام آوری۔ البتہ اس بات سے مجھے رنج ہوا کہ ان کے خیال میں تحریک الہلال سے پہلے مسلمان نہ تھا، تحریک الہلال نے اسے مسلمان کیا۔ ان کی عبارت سے ایسا خیال مترشح ہوتا ہے۔ ممکن ہے ان کا مقصد یہ نہ ہو۔ میرے دل میں مولانا ابوالکلام کی بڑی عزت ہے اور ان کی تحریک سے ہمدردی۔ مگر کسی تحریک کی وقعت بڑھانے کا مقصد یہ نہیں کہ اوروں کی دل آزاری کی جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ 'اقبال کے جو مذہبی خیالات اس سے پہلے سنے گئے ان میں اور مثنویوں میں زمین آسمان کا فرق ہے'۔ معلوم نہیں انہوں نے کیا سنا تھا اور سنی سنائی بات پر اعتبار کرکے ایسا جملہ لکھنا، جس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، کسی طرح ان لوگوں کے شایان شان نہیں جو اصلاح کے علم بردار ہوں"۔ (۱)

---

(۱) مکاتیب اقبال جلد اول صفحات ۱۱۰-۱۱۱۔ بدایوں کے ایک ادبی رسالہ نقیب (بابت نومبر سنہ ۱۹۲۲ء) میں اقبال پر ایک پر لطف اور دلچسپ مضمون نکلا تھا۔ اس میں تذکرہ کے دیباچہ نگار کی اسی عبارت کو نقل کرکے اس کا جواب دیا گیا تھا۔ خلیفہ عبدالحکیم صاحب نے اپنے مضمون "اقبال اور ملا" میں اس عبارت کا ذکر کیا ہے اور اس کا معقول جواب دیا ہے۔

ایک موقع پر خود اقبال کو بتانا پڑا ہے کہ وہ اسلامی خیالات کی اشاعت بہت پہلے سے کرتے آئے ہیں چنانچہ مسلمانان ہند کی بیداری کے سلسلہ میں خواجہ حسن نظامی کو سنہ ۱۹۱۲ع میں لکھتے ہیں :—

''لیکن آپ نے یہ نہیں لکھا کہ اقبال جس نے اسلامی قومیت کی حقیقت کا راز عین وقت پر منکشف کیا جب ہندوستان والے اس سے غافل تھے اور جس کے اشعار کی تاریخ زمیندار ، کامریڈ ، بلقان ، طرابلس اور نواب وقارالملک کی حق گوئی کی تاریخ سے پہلے کی ہے ، کس کا خوشہ چین ہے ۔ شاعروں کی بد نصیبی ہے کہ ان کا کام برا بھلا جو کچھ بھی ہو غیر محسوس ہوتا ہے اور ظاہر بین آنکھیں مرئیات کی طرف قدرتاً زیادہ متوجہ ہوتی ہیں'' (۱) ۔

ای بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد
چشم خود بر بست و چشم ما کشاد .

اسلامی نظام فکر اقبال کے تمام تصورات اسلامی ہیں اور ان کے افکار براہ راست قرآن مجید سے ماخوذ ہیں ۔ ان کی نظمیں ہوں یا اشعار ، مضامین ہوں یا مکاتیب، مقالات ہوں یا خطبات، ہر تحریر میں اسلامی روح کار فرما ہے۔ ان کا مقصد ایک ترقی یافتہ مثالی انسانی معاشرہ کا قیام تھا جو مادی و روحانی ترقی کرکے صلاح دنیوی اور فلاح آخروی کو حاصل کرے اور ہمیشہ امن عالم کو برقرار رکھے ۔ اپنی علمی تحقیقات کے سلسلہ میں انہوں نے یورپ کے علوم و فنون پر دسترس حاصل کی ، اس کے نظام تمدن اور حکمت و فلسفہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، مگر فلسفہ یورپ میں انہیں اپنی مشکلات کا حل نظر نہ آیا ۔ البتہ بعض ارباب فکر کے خیالات و افکار سے

(۱) مکاتیب حصہ دوم ، ص ۳۳۶ ۔

وہ ایک حد تک متأثر ہوئے جن کو انہوں نے اپنایا۔ یورپ سے واپسی پر انہوں نے اسلامی فلسفہ اور دینیات اور تصوف کا وسیع مطالعہ کیا۔ اس میں بھی ان کو بہت کچھ غیر اسلامی عناصر نظر آئے۔ اس تمام مطالعہ و تحقیق میں صرف ایک قرآن مجید نے ان کی رہنمائی کی ہے جس کے اصولوں اور تعلیمات پر وہ ہر چیز کو جانچتے اور پرکھتے رہے۔ آخر ایک سچے اور مخلص مسلمان کی طرح خذ ماصفا کے اصول پر عمل پیرا ہوئے اور مغرب اور مشرق کے عالی دماغ مفکرین کی آرا و افکار کو حقائق قرآنی پر منطبق کرکے انہوں نے اپنا دبستان فکر تعمیر کیا اور اپنے تصور حیات کو قرآن کی روشنی میں ایک عملی رنگ دے دیا۔ جیسا کہ تحریر ذیل سے معلوم ہوگا :—

"یہ اقبال کی روحانی اور دماغی عظمت تھی جس نے بظاہر حرکات زندگی کے تناقضات کو سمیٹا اور ایک عظیم الشان امتزاج کے ساتھ ملا دیا۔ جب وہ اپنے مرکز ثقل کو نہ چھوڑتے ہوئے ہر نظام فکر کو قبولنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا فکری نظام محض انتخابی ہے جو ہر اچھی چیز کو لے لیتا ہے اور ان سے رنگا رنگ پھولوں کا ایک گلدستہ تیار کر لیتا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی بھی عظیم المرتبت شخصیت انتخابی نہیں ہوا کرتی، محض انتخابی طریقہ اقبال کو یہ قوت عطا نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے دو متضاد چیزوں یعنی رومی جیسے زبردست صوفی اور ڈارون کے ملحدانہ نظریہ' ارتقا کے قائل نیٹشے کو جمع کر دیا۔ نیٹشے کا مافوق البشر بعض اوقات ایک مافوق الحیوان کی گھٹیا صورت پر اتر آتا ہے اور انسانی ارتقائے روحانی کے طویل دور میں جو روحانی قدریں وجود میں آتی ہیں ان کو

پست تریں تصورات میں تبدیل کر دیتا ہے ۔ اقبال کہتے ہیں کہ اگرچہ اس کا دماغ کافر ہے لیکن قلب مومن کا ہے ۔ وہ یہ مانتے تھے کہ ان کے اقدار جدید کے بعض پہلو ہیں جو صحیح روحانی ترقی کے ساتھ تبدیل ہوکر آپس میں مل جل گئے ہیں ۔ وہ برگسان سے متفق اور تخلیقی ارتقاء کے مسئلہ سے متاثر تھے اور محض منطقی فکر کے ناکافی ہونے میں وہ برگسان اور اہل تصوف کے ہم خیال تھے ۔ وجدان کی مدد کے بغیر ذہن انسانی وجود کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا اور انسان کو غیر محدود تخلیقی (elan) قوت حیات سے ہم آہنگ نہیں بنا سکتا ،، (۱)۔

بات اصل یہ ہے کہ اقبال کے کلام میں ان کے تمام فلسفیانہ اور شاعرانہ افکار کو جس میں متفرق طور پر کسی قسم کا تضاد پایا جاتا ہے، جمع کر کے ایک مسلسل اور مربوط رشتہ میں منسلک کر لینا ان کے صحیح اور اصلی خیالات و جذبات سے ناواقفیت کا ثبوت دینا ہے ۔ وہ شاعر بھی ہیں اور حکیم بھی ۔ ایسی صورت میں ان چیزوں کو متضاد اور متناقض نہ سمجھنا چاہئے بلکہ وہ در اصل فکر شاعر کے درجات (grades) ہیں جو ہر وقت ترقی پذیر رہتے ہیں —

فلسفۂ اقبال اقبال ابتدا ہی سے فلسفہ کے طالب علم رہے ہیں اور ان کی تعلیمی اور حکیمانہ زندگی میں یہی موضوع ان کے فکر و عمل پر غالب رہا ہے۔ یورپ کے اثنائے قیام میں فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم اور فلسفۂ مغرب کے افکار و آرا نے ان کے خیالات کو کافی متاثر کیا۔

---

(۱) خلیفہ عبدالحکیم کا مقالہ اقبال پر مندرجہ History of Philosophy, Eastern and Western, by Sir Radhakrishnan, Vol I, pp. 543-544, London, 1952

انہوں نے قدیم و جدید فلسفہ کے ساتھ ساتھ اسلامی فلسفہ کا بھی با معان نظر مطالعہ کیا تھا اور حکمائے اسلام کے آرا و نظریات کا جدید فلسفہ سے موازنہ بھی کیا تھا ۔ جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ اسلام اور قرآنی حقائق فکر اقبال کی اولین اساس ہیں، اس لحاظ سے انہوں نے فلسفہ کا قرآن ہی کی روشنی میں مطالعہ کیا تھا ۔ اسلامی الٰہیات کے مسائل کی تشریح میں بھی انہوں نے قرآن مجید ہی کو اپنا رہبر بنایا ۔ ایک طرف حکمائے مغرب مثل نیٹشے ، فشٹے، برگساں ، وارڈ وغیرہ کے افکار ان کے نظریات خودی ، انسان کامل اور تصور زمان و مکاں وغیرہ قائم کرنے میں محرک ثابت ہوئے، تو دوسری طرف حکمائے اسلام اور اکابر صوفیہ خصوصاً مولانا رومی کے مطالعہ نے ان کی رائے میں اصابت اور پختگی پیدا کر دی۔ اس طرح اپنا ایک مخصوص نظام فکر قائم کرنے میں انہوں نے ایک حد تک دوسروں سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہوں نے محض دوسروں کی خوشہ چینی کی ہے ۔ بعض ناقدین کی رائے میں اقبال کا فلسفہ کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتا، کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ اقبال نے فلسفۂ مغرب کی تقلید و تتبع میں اپنے متفرق اور منتشر خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ لیکن یہ رائے محض غلط اور انصاف و دیانت داری سے بعید ہے۔ جن لوگوں نے تصانیف اقبال کا دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اقبال کا اپنا ایک خاص نظام فکر اور ایک پیغام ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد اور تہذیب و تکمیل انسانیت کے لئے قابل عمل ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانے میں مشرق اور مغرب میں مطالعۂ اقبال کی طرف توجہ بڑھتی جا رہی ہے اور کئی اہل علم نے ان کے فلسفیانہ افکار کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔ اس موضوع پر ایک کتاب انگریزی زبان میں Iqbal As a Thinker کے عنوان سے شائع ہوئی ہے (۱) جس میں بعض اصحاب فن

---

(۱) مطبوعہ محمد اشرف لاہور سنہ ۱۹۴۴ ع

نے فلسفۂ اقبال کے مختلف شعبوں پر آٹھ مقالے تحریر کئے ہیں :—

۱ ۔ اقبال کا تصور زمان و مکان	از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی
۲ ۔ فلسفۂ اقبال کے ترقی پسند رجحانات	از خواجہ غلام السیدین
۳ ۔ اقبال کا تصور الٰہی	از پروفیسر میاں محمد شریف
۴ ۔ رومی ، نیٹشے اور اقبال	از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم
۵ ۔ اقبال اور تصوف	از پروفیسر فضل الرحمٰن
۶ ۔ اقبال کا نظریۂ سیاست	از ڈاکٹر محمد عزیز احمد
۷ ۔ اقبال کا تصور فن	از پروفیسر کلیم الدین احمد
۸ ۔ اقبال کا رویہ خدا کے متعلق	از پروفیسر فیاض محمود

یہ مقالے اپنے موضوعات کے لحاظ سے خاصی اہمیت رکھتے ہیں خصوصاً اقبال کے فلسفیانہ افکار کی تشریح و توضیح کے لحاظ سے پہلے چار مقالے خاص طور پر قابل توجہ اور لائق مطالعہ ہیں۔ بقیہ چار مقالے بھی فلسفۂ اقبال کے مختلف موضوعات پر بعض خاص وجوہ کے اعتبار سے اہم ہیں اگرچہ ان میں وہ عمق اور وسعت نظر نہیں ہے جو پہلے چار مقالوں میں پائی جاتی ہے—

اقبال کا فلسفہ ایک مکمل نظام ہے اور اگرچہ اس کے مختلف شعبوں پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اس کے مرکزی خیال ”حقیقت کبریٰ“ یا Ultimate Reality پر غالباً اب تک کسی نے نہیں لکھا ۔ اس موضوع پر صرف ڈاکٹر شوکت سبزواری کا مضمون ”فلسفۂ اقبال کا مرکزی خیال“ رسالہ معارف (۱) (اعظم گڑھ) میں شائع ہوا ہے ۔ یہ مضمون اگرچہ مختصر

(۱) فروری سنہ ۱۹۴۶ء

ہے مگر اقبال کے نظریہ' '' حیات برتر،، پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ مضمون نگار نے اس سلسلہ میں اقبال کے حرکت اور زمان و مکاں کے نظریات کا مقابلہ مغربی مفکرین کے نظریات سے بھی کیا ہے۔

روما کے ایک اطالوی مستشرق پروفیسر الیسنڈرو بوسانی (Alessandro Bausani) نے اقبال کے نظریہ' زمان پرایک مبسوط مقالہ انگریزی زبان میں لکھا ہے جو انہوں نے اواخر جنوری سنہ ۱۹۵۵ع میں سندھ یونیورسٹی حیدرآباد کے ایک جلسے میں پڑھا تھا۔ اس کا عنوان یہ ہے —

Concept of Time in the Religious Philosophy of Iqbal

اقبال کے تصور زمان پر سید بشیر الدین احمد صاحب کا ایک طویل مقالہ رسالہ' اردو کے اقبال نمبر(۱) میں شائع ہوا ہے جو اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے اور اس لحاظ سے قابل مطالعہ ہے۔ اقبال کے تصور حیات پر ڈاکٹر شجاع ناموس نے ایک مستقل کتاب (۲) لکھی ہے جس میں انہوں نے اقبال کے فلسفہ کا تجزیہ کیا ہے اور اس کے اس خاص پہلو سے بحث کی ہے جو ان کے نظام فکر سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح بشیر احمد ڈار صاحب نے اقبال کے فلسفہ' معاشرہ پر ایک کتاب لکھی ہے (۳) جس میں انہوں نے رموز بیخودی کی تشریح کی ہے۔

اقبال کے فلسفہ اور حکیمانہ خیالات اور ان پر فلاسفہ' یورپ کے اثرات کے

---

(۱) ص ۲۵۹ تا ۲۸۸

(۲) Iqbal's Philosophy of Life ۱۶۳ صفحات مطبوعہ لاین پریس لاہور سنہ ۱۹۳۸ع

(۳) Iqbal's Philosophy of Society ۱۸۳ صفحات سنہ ۱۹۳۳ع

سلسلہ میں سید نذیر نیازی کا ''اقبال کا مطالعہ،، اس موضوع کے مبادی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر سید عبداللہ کا مضمون 'تشریح اقبال، بھی اس سلسلہ میں مفید اور کارآمد ہے۔ (۱)

بعض اہل قلم نے اقبال کے فلسفہ کو تمام تر نیٹشے، برگسان، اور وارڈ سے ماخوذ بتایا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کے افکار فلاسفہ' فرنگ کا انتخاب یا سرقہ ہیں۔ اگرچہ خود اقبال اس کے معترف ہیں کہ انہوں نے ایک حد تک ان فلاسفہ کے افکار سے فائدہ اٹھایا ہے، لیکن ان کی ہر بات کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ صرف اس حد تک ان کی آرا کو مانا ہے جہانتک کہ ان سے اسلامی نظریات کی تائید ہوتی ہے اور جہاں جہاں وہ ان سے متفق نہیں ہیں وہاں انہوں نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خطبات میں ان پر سخت تنقید کی ہے۔ جب ''اسرار خودی،، کا انگریزی ترجمہ پروفیسر نکلسن نے شائع کیا تو بعض انگریز اہل علم نے اس پر تبصرے اور تنقیدیں لکھیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اقبال کا فلسفہ' خودی جرمن فلسفی نیٹشے کے افکار سے ماخوذ ہے۔ اس کے جواب میں اقبال نے ڈاکٹر نکلسن کو لکھا کہ :—

''بعض انگریزی تنقید نگاروں نے اس سطحی تشابہ اور مماثل سے جو میرے اور نیٹشے کے خیالات میں پایا جاتا ہے دھوکا کھایا ہے اور غلط راہ پر پڑ گئے ہیں۔ دی ایتھینیم والے مضمون میں جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں وہ بہت حد تک حقائق کی غلط فہمی پر مبنی ہیں لیکن اس غلطی کی ذمہ داری صاحب مضمون پر عائد نہیں ہوتی۔ وہ انسان کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکا، یہی وجہ ہے کہ اس نے غلط مبحث کر کے میرے انسان کامل اور جرمن مفکر کے فوق الانسان کو ایک ہی چیز فرض

(۱) آثار اقبال، ص ۲۶۱

کر لیا ھے۔ میں نے آج سے تقریباً ۲۵ سال قبل انسان کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا اور یہ وہ زمانہ ھے جب نہ تو نیٹشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا نہ اس کی کتابیں میری نظر سے گزری تھیں،، (۱)۔

اس سلسہ میں جناب ممتاز حسن صاحب احسن کا بیان ملاحظہ ھو جو انہوں نے ''اقبال اور فلسفہ' مغرب،، پر انگریزی میں تحریر کیا ھے ۔ دونوں کے تقابلی مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے ھیں :۔

''جو لوگ یہ خیال کرتے ھیں کہ اقبال کا فلسفہ تمام تر حکمائے مغرب کے خیالات سے ماخوذ ھے ، صریحاً غلط فہمی میں مبتلا ھیں ۔ ان کا یہ قول اس امر کی دلیل ھے کہ انہوں نے اقبال کے فلسفہ کا مطالعہ تو کیا ھے مگر سمجھنے سے قاصر رھے ۔ جس طرح دو تصویروں کے بعض امور میں باھم مشابہ ھونے سے ایک کو دوسرے کی نقل نہیں کہ سکتے ، اسی طرح اگر نیٹشے اور برگسان کے بعض خیالات کا پرتو اقبال کے فلسفہ میں نظر آتا ھے تو اس کا یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اقبال نے اپنا فلسفہ ھی ان حضرات سے اخذ کیا ھے،، (۲) ۔

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری جنھوں نے انگریزی میں اقبال کی مثنویوں (اسرار و رموز) پر ایک مفصل تبصرہ کیا ھے، اس سلسہ میں رقمطراز ھیں:—

''کیا اقبال نیٹشے کے زیر اثر ھے؟ میرا جواب اثبات میں ھے ۔ وہ ھمیشہ مستعار چیز کو جلا دے کر ایک نئی اور انوکھی چیز بنا لیتا ھے ۔ مثال کے طور پر ''اسرار خودی،، کی حکایت الماس و زغال کو لے لیجئے جو نیٹشے کی تصنیف

---

(۱) مکاتیب ج اول ، ص ۴۵۷-۴۵۸ ۔

(۲) '' اقبال اور فلسفہ' مغرب ،، مترجمہ' پروفیسر یوسف سلیم چشتی مشمولہ نیرنگ خیال اقبال نمبر ، ص ۳۸۱

(ارشادات زردشت) کی ایک حکایت (پتھر اور کوئلہ) سے ماخوذ ہے۔ مگر چونکہ اقبال نیٹشے سے بزرگ تر شاعر ہے، اس نے پتھر کو اس طرح کاٹا اور صیقل کیا کہ الماس اس کا اپنا بن گیا ،، ۔ (۱)

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم جنہوں نے اقبال پر حکمائے یورپ کے اثرات کی وضاحت کی ہے اور ان کے افکار سے اقبال کو کافی حد تک متأثر بتایا ہے وہ بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ :—

''جہاں تک افکار کا تعلق ہے انہوں نے نہ رومی کا کامل تتبع کیا ہے نہ نیٹشے کا، نہ برگسان کا اور نہ کارل مارکس کا نہ لینن کا ۔ اپنے تصورات کا قالین بنتے ہوئے انہوں نے رنگین دھاگے اور بعض خاکے ان لوگوں سے لئے، لیکن ان کے مکمل قالین کا نقشہ کسی دوسرے کے نقشہ کی ہو بہو نقل نہیں ہے۔ اپنی تعمیر کے لئے انہوں نے ان افکار کو سنگ و خشت کی طرح استعمال کیا ہے،، ۔ (۲)

سچ تو یہ ہے کہ مغرب کے اصحاب فن نے اقبال کے اسلامی افکار اور ان کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں غلطی کی ہے اور ان کو اسلام کا مؤید اور مبلغ سمجھ لیا ہے ۔ جس طرح یرقان کے مریضوں کو ہر چیز زرد دکھائی دیتی ہے ، ان کی نظر تعصب کو بھی اقبال کے فلسفہ میں خود اپنی ''قوم پرستی،، اور مذہبی عصبیت کا جلوہ نظر آنے لگا ۔ پھر بھی بعض حق پرست اہل علم ایسے ہیں جنہوں نے اقبال کے فلسفیانہ افکار سے بصیرت حاصل کی ہے اور مذہبی و سیاسی تعصبات سے بالا تر ہو کر انہوں نے اقبال کی صحیح قدر و منزلت کو محسوس کیا ہے ۔ چنانچہ ایک امریکی فاضل ڈاکٹر

---

(۱) مترجمہ مالک رام صاحب ، نیرنگ خیال اقبال نمبر ، ص ۱۳۷

(۲) رومی ، نیٹشے اور اقبال (اردو کا اقبال نمبر ص ۵۵ تا ۱۰۵)، اقبال بحیثیت مفکر (انگریزی)

اسپرینگلنگ (Sprengling) شکاگو کے رسالہ Christendom سنہ ۱۹۳۶ع میں اقبال کے خطبات ''اسلامی الٰہیات کی تشکیل جدید،، پر ایک مضمون میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :—

''مغربی دنیا نے باستثنائے معدودے چند ابھی تک سر محمد اقبال کے علمی پایہ کو نہیں پہچانا اور اسی لئے ہنوز اس کی وہ قدر و منزلت نہیں ہو سکی جس کے وہ مستحق ہیں . . . . سر محمد اقبال فی الحقیقت نہایت بلند پایہ مفکر اور مذہبی فلاسفر ہیں ۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان کا فلسفہ بیش بہا جواہرات کی کان ہے۔ چونکہ وہ مسلمان ہیں اس وجہ سے ارباب مغرب کے لئے ان کے حقیقی مقام رفیع کو دریافت کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا ٹیگور یا گاندھی کے ۔ مغرب کے ارباب نظر اگرچہ مشرقی ممالک کے فلاسفہ اور لکچراروں کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے میں کوشاں ہیں، لیکن سب سے زیادہ قابل توجہ شخصیت ڈاکٹر اقبال کی ہے جو موجودہ زمانہ کے بہترین مسلمان ہیں اور ہر لحاظ سے مغرب کے بڑے سے بڑے فلسفی کے ہم پلہ ہیں،، (۱) ۔

اسی طرح کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور اور فاضل مستشرق پروفیسر ایڈورڈ براؤن آنجہانی نے اپنی معرکہ الآرا کتاب ''تاریخ ادبیات ایران،، میں ملا صدرا کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ :—

''شیخ محمد اقبال نے جو پہلے اس کیمبرج یونیورسٹی میں ڈاکٹر میک ٹیگارٹ کے شاگرد تھے اور اب خود ایک بڑے نامور اور اصلی مفکر (Original Thinker) ہیں، اپنی مختصر مگر عمدہ کتاب

(۱) تعلیمات اقبال از پروفیسر یوسف سلیم چشتی ، صفحہ ۲۱ ۔

' ایران میں مابعدالطبیعیات کا ارتقا ، میں جو اسلامی فلسفہ میں ایک اضافہ ہے، ملا صدرا کے مسئلہ کا مختصر مگر زیادہ سنجیدہ احوال لکھا ہے ،، (۱) ۔

ارتقائے خودی کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ کی ترقی کا جو نظریہ اقبال نے قائم کیا اس سے علمائے مغرب نے بھی کافی دلچسپی کا اظہار کیا ۔ چنانچہ ڈاکٹر نکلسن نے ان کی مثنوی ''اسرار خودی،، کے ترجمہ پر ھی اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اقبال کی اس فکر جدید پر لکچر بھی دئے اور ان کے نظریہ کی وضاحت کی ۔ اسی طرح مشرق و مغرب کے کئی ارباب علم و فن نے اس پر اظہار خیال کیا ہے ۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر ایچ ۔ اے ۔ آر گب اقبال پر اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ھیں :—

''یورپ کی طاقت اور قوت اور مغربی فلسفہ سے اثر پذیر ہوکر انہوں نے دیکھا کہ اسلامی عقیدۂ وحدۃالوجود کی اجتماعی غفلت مسلمانوں کے زوال کا سبب بنی ہوئی ہے اور اس عقیدہ کی تردید کے رد عمل میں برگسان اور نیٹشے کے ارتقائی فلسفہ کی طرف وہ مائل ہوئے ۔ اس وقت سے ہندوستان کے مسلمانوں میں اسی روح عمل کو بیدار کرنے کا انہوں نے تہیہ کر لیا ۔ ان کی زبردست تصنیف '' اسرار خودی ،، اپنے تخلیقی انا کے پیغام آزادی اور مکمل ارتقائے ذات کی سعی و کوشش کے ساتھ ، ہندوستان کے مسلمان نوجوانوں کے دل و دماغ پر چھا گئی ۔ مگر اس کے ساتھ ھی انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ ذات کا صحیح ارتقا خودی سے دست بردار ہو کر صرف ایسے معاشرہ کی خدمت ھی سے حاصل ہو سکتا ہے جو مشترک روحانی روایات اور ان کی بلند ترین قدروں سے فیضیاب ہو۔

(۱) تاریخ ادبیات ایران جلد چہارم ، صفحہ ۳۳۱ ۔

مغربی تہذیب اور معاشرتی نظام کی اندرونی خرابیوں، مغربی فلسفہ کی مادیت، نیز وطن پرستی اور سامراج کے مفسدانہ اثرات کی وجہ سے ایسا معاشرہ انہیں مغرب میں نہیں مل سکتا تھا۔ اس کے برعکس اسلام میں انہیں ایک ایسا نصب‌العین نظر آیا جس کے اندر ترقی پذیر ذات کی اجتماعی کوشش اور روحانی زندگی متحد تھی۔ چنانچہ ان کی دوسری شاعرانہ تصنیف کا یہی موضوع تھا۔ یعنی انسانیت کو ارتقا کے بلند ترین درجہ تک ابھارنا اور ایک مثالی اسلامی معاشرہ کی اخلاقی، روحانی اور ذہنی قدروں کو ترقی دینا۔ یہ مسئلے اقبال کی مابعد کی نظموں میں گونا گوں ترقی یافتہ صورتوں میں نمودار ہوئے،، (۱)۔

ما بعدالطبعیات اور اقبال

جس طرح اقبال کا فلسفۂ خودی اور تصور حیات انسانی خالص اسلامی اساس پر مبنی ہے، اسی طرح ان کا فلسفۂ ما بعدالطبعیات بھی وحی و الہام کا رہین منت ہے اور ان کے نظام فکر کا ایک اہم ترین جزو، جس کا تعلق مذہب اسلام کے بنیادی عقائد سے ہے۔ اس میں وجود باری، توحید، رسالت، حشر و نشر، وحی و الہام، خیر و شر، وغیرہ کو انہوں نے عقلی دلائل کی بجائے ''اتحاد عمل،، سے ثابت کیا ہے۔ انہوں نے فلسفہ کو مذہب کا آلۂ کار نہیں بنایا، بلکہ ان دونوں میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یورپ میں سب سے پہلے کانٹ نے مذہب کو فلسفہ کی گرفت سے آزاد کرکے اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا اس لئے کہ اس کے نزدیک عقل محض مذہب کی گتھیوں کو سلجھانے سے قاصر ہے۔ مگر اقبال نے فلسفہ کو مذہب اسلام سے ملانے کی زبردست خدمت انجام دی ہے، اور اسی بنیاد پر انہوں نے اپنے فلسفۂ مذہب کی تعمیر کی ہے۔ ایک

---

(۱) Dictionary of National Biography, (1931-1940), pp. 461-462.

طرف انہوں نے فلسفۂ یونان پر سخت تنقید کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ تمامتر نظری اور اس لئے نا قابل عمل ہے ، اور دوسری طرف اس بات پر زور دیا ہے کہ محض نظر و قیاس سے ''حقیقت کبریٰ'' (Ultimate Reality) تک پہنچنا ناممکن ہے ۔ اس لحاظ سے بقول ڈاکٹر ظفرالحسن انہوں نے ''وہ کام انجام دیا جو صدیوں پہلے متکلمین اسلام نظام اور ابوالحسن اشعری نے یونانی فلسفہ اور سائنس کے مقابلہ میں انجام دیا تھا (۱) ۔ اقبال نے وحی و الہام ، اسرار خودی ، حقیقت کبریٰ اور بقا کے مسائل میں صوفیائے اسلام کا مسلک اختیار کیا تاکہ وجود باری کو ثابت کیا جا سکے جو اقبال کے تمام فلسفہ کی اصل بنیاد ہے ۔

اقبال کے فلسفۂ ما بعدالطبعیات پر اب تک صرف ایک مقالہ انگریزی زبان میں ملتا ہے جو Metaphysics of Iqbal کے نام سے فلسفہ کے ایک طالب علم عشرت حسن انور صاحب نے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کرنے کے لئے اپنے استاد ڈاکٹر ظفرالحسن مرحوم (صدر شعبۂ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) کی رہنمائی میں تیار کیا تھا اور جو سنہ ۱۹۴۴ع میں کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے (۲) ۔ بقول ظفرالحسن صاحبؒ اس مقالہ میں انہوں نے فلسفۂ اقبال کی صحیح خدمت انجام دی ہے ، اور اس مقالہ سے اقبال کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اس میں انہوں نے اقبال کے خطبات مدراس اور ان کی تمام منظومات کی بنا پر ان کے ما بعدالطبیعیاتی فلسفہ کا تجزیہ کیا ہے اور ان کے فلسفیانہ افکار کا برگسان ، نیٹشے اور میک ٹیگارٹ کے خیالات سے موازنہ کیا ہے۔

---

(۱) تقریر صدارت از ڈاکٹر ظفرالحسن بتقریب خطبات اقبال، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ، سنہ ۱۹۲۹ع

(۲) مطبوعہ محمد اشرف لاہور سنہ ۱۹۴۴ع

اقبال کا علم کلام

اس سلسلے میں اقبال کے علم کلام کا ذکر بھی ناگزیر ہے ۔ اگرچہ اسلامی مسائل اور ان کی متکلمانہ آراء و افکار، ان کے شاعرانہ کلام میں بکھرے ہوئے ہیں لیکن ان کے خطبات میں ایک ترتیب اور نظم کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ عدم رویت باری ، نبوت ، ہجرت، معراج، وحی و الہام، تقدیر، خیر و شر وغیرہ مسائل میں ان کا ایک خاص نقطۂ نظر ہے جو متقدمین و متاخرین دونوں سے بالکل جداگانہ اور ان کا اپنا ہے ۔ مثلا رویت باری تعالیٰ کے مسئلہ میں وہ معتزلہ کے ہم خیال ہیں جو رویت کے منکر ہیں ، لیکن وہ اس کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں : —

تو در ہوای آنکہ نگہ آشنائی اوست
من ذر تلاش آں کہ نتابد نگاہ را

یعنی بجائے اس کے کہ نگاہ اس کو دیکھ سکے اسے اور بلند کرنا چاہئے اور ایسی ذات کی تلاش کرنی چاہئے جو نگاہ میں بھی سما نہ سکے ۔ اسی طرح نبوت کے مسئلہ میں انہوں نے معراج پر بحث کرتے ہوئے سب سے بڑا معجزۂ نبوت یہ بتایا ہے کہ وہ ایک قوم کو پیدا کردے کہ یہ بجائے خود ایک زبردست معجزہ ہے ۔ ہجرت نبوی پر مخالفین کا یہ اعتراض کہ آپ نے قریش کی ایذا رسانی اور ظلم و ستم سے تنگ آ کر راہ فرار اختیار کی، اقبال تسلیم نہیں کرتے اور اس کے جواب میں بتاتے ہیں کہ ہجرت سے مقصد وطنیت سے اعراض اور ایک ایسی امت کا پیدا کرنا تھا جو وطنیت سے آزاد ہو:

عقدۂ قومیت مسلم کشود — از وطن آقائے ما ہجرت نمود
حکمتش یک ملت گیتی نورد — بر اساس کلمۂ تعمیر کرد

اقبال نے ان کلامی مباحث کو ہر جگہ اپنے خاص شاعرانہ انداز میں بڑی خوبی بیان سے کیا ہے اور اگر ان سب کو یکجا جمع کیا جائے تو جدید

علم کلام کی ایک کتاب بن سکتی ہے ۔ اس موضوع پر اقبالیات کے سلسلہ میں اب تک کوئی کام نہیں ہوا ۔ صرف مولانا سید سلیمان مرحوم کا ایک مضمون ان کے علم کلام پر پایا جاتا ہے جو یوم اقبال (منعقدہ ۹ جون سنہ ۱۹۳۸ع) کے لئے انہوں نے لکھا تھا اور مقالات یوم اقبال کے مجموعہ میں شامل ہے (۱) ۔

اقبال اور تصوف

اقبال نے اسلامی تصوف کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس سلسلے میں انہوں نے تمام اکابر صوفیہ کی اصل تصانیف دیکھی تھیں ۔ مگر انہیں فلسفۂ تصوف میں بعض غیر اسلامی عناصر نظر آئے۔ وہ صرف اس تصوف کے قائل تھے جو قرآن مجید اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وتعلیمات سے ماخوذ ہے ۔ اس بنا پرانہوں نے تصوف کو قرآن سے ثابت کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔ چنانچہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں انہوں نے اپنے مقالہ ''فلسفۂ عجم،، (Development of Metaphysics in Persia) میں اس پر بحث کی ہے اور اثنائے قیام یورپ میں انہوں نے اسلامی مذہب و تمدن پر لکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ ''اسلامی تصوف،، اس سلسلہ کا دوسرا لکچر تھا (۲) ۔ تصوف پر عجمیت کا جو رنگ چڑھ گیا تھا اس کو انہوں نے اپنی اس کتاب میں دکھایا ہے ۔ اس میں انہوں نے مابعدالطبیعیات کا ارتقاء ایران میں بتایا ہے ۔ لیکن ایران سے مراد کوئی علیحدہ قوم و وطن نہیں ہے ، بلکہ چونکہ اکثر مسلمان فلاسفہ عجمی النسل تھے جنہوں نے فلسفۂ ما بعدالطبیعیات پر اپنے افکار و خیالات قلمبند کئے، لہذا انہوں نے اس کو فلسفۂ عجم سے تعبیر کیا ہے ورنہ در حقیقت یہ افکار ان مسلمان فلاسفہ

---

(۱) مقالات یوم اقبال، ص ۱۳ تا ۳۴، مرتبۂ انٹر کالیجیٹ مسلم برادرھڈ لاھور مطبوعہ قومی کتب خانہ لاھور ۔

(۲) مکاتیب اقبال، حصہ دوم صفحہ ۳۵۸ ۔

کے ھیں جنھوں نے اسلام کی گود میں نشو و نما پائی اور اس اعتبار سے ان کے دماغی کارنامے اسلامی فلسفہ ھی کا ایک جزو ھیں - البتہ اقبال نے ان کے افکار پر عجمیت کا اثر دکھایا ھے جن کا تعلق زردشتی خیالات سے ھے اور اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ھوگا کہ یہ فلاسفہ ایک حد تک مانی و مزدک کے بعض افکار و خیالات سے متاثر ضرور تھے۔ ایران کے مسلمان صوفیہ اور فلاسفہ پر عجمی اثرات اس قدر غالب تھے کہ وہ تصوف کے پورے سلسلے پر چھا گئے اور بعض اکابر صوفیہ نے ان اثرات سے اسلامی تصوف کو پاک کرنے کی کوشش بھی کی - چنانچہ اقبال اس کے متعلق فرماتے ھیں :-

> ''خواجۂ نقشبند اور مجدد سرھند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ھے مگر افسوس کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ھے - یہی حال سلسلۂ قادریہ کا ھے جس میں میں خود بیعت رکھتا ھوں - حالانکہ حضرت محی الدین کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا،، - (۱)

تصوف کے متعلق اقبال کا نظریہ زیادہ تفصیل اور وضاحت چاھتا ھے۔ انھوں نے اس پر سائنٹفک طریقہ سے بحث کی ھے - چنانچہ اپنی کتاب ''فلسفۂ عجم،، میں لکھتے ھیں :-

> ''تصوف کے موضوع پر میں نے سائنٹفک طریقے سے بحث کی ھے اور ان ذھنی حالات و شرائط کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ھے جو اس قسم کے واقعہ کو معرض ظھور میں لے آتے ھیں - لھذا اس خیال کے بر خلاف جو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ھے، میں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ھے کہ تصوف ان مختلف عقلی و اخلاقی قوتوں کے باھمی عمل و اثر کا لازمی نتیجہ ھے جو ایک خوابیدہ

---

(۱) مکاتیب

روح کو بیدار کر کے زندگی کے اعلیٰ ترین نصب العین کی طرف اس کی رہنمائی کرتے ہیں،، ۔(۱)

عام طور سے اقبال کو تصوف کا مخالف سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ محض غلط ہے ۔ وہ یقیناً اس تصوف کے مخالف تھے جو اسلامی تو کہلاتا ہے مگر اس میں یونانی ، رومی ، عجمی اور ہندی عناصر مل جل گئے ہیں اور اس بنا پر انہوں نے ان غیر اسلامی عناصر سے مرکب تصوف پر سخت تنقید کی ہے۔ اقبال نے منصور و حلاج کے حلولی عقیدہ اور شیخ اکبر کے وجودی خیالات پر سخت نکتہ چینیاں کی ہیں اور مؤخرالذکر کی مشہور تصنیف فصوص الحکم کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں سوائے الحاد اور زندقہ کے کچھ نہیں(۲)۔ اس کے باوجود بعض اہل قلم نے اقبال کا موازنہ حلاج سے کیا ہے۔ عبدالمالک صاحب آروی نے اپنی کتاب ''اقبال کی شاعری،، میں منصور کے جن اقوال اور اشعار سے اقبال کے اشعار کا موازنہ کیا ہے ان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے کوئی نسبت نہیں، بلکہ اس قسم کے موازنہ کا خیال ہی سرے سے مضحکہ خیز ہے ۔ حلاج کے متعلق اپنے ایک مکتوب بنام مولانا اسلم جیراج پوری (مورخہ ۱۷ مئی سنہ ۱۹۱۹ع) میں اقبال تحریر فرماتے ہیں :—

''منصور حلاج کا رسالہ الطواسین جس کا ذکر ابن حزم کی فہرست میں ہے، فرانس میں شائع ہو گیا ہے . . . . حسین کے اصلی معتقدات پر اس رسالے سے بڑی روشنی پڑتی ہے ۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان منصور کی سزا دہی میں بالکل حق بجانب تھے ۔ اس کے علاوہ ابن حزم نے کتاب الملل میں جو کچھ منصور

---

(۱) دیباچہ کتاب فلسفۂ عجم

(۲) مکاتیب حصۂ اول ، ص ۵۴-۵۵

کے متعلق لکھا ہے اس کی اس رسالہ سے پوری تائید ہو رہی ہے۔
لطف یہ ہے کہ غیر صوفیہ قریباً سب کے سب منصور سے بیزار تھے۔
معلوم نہیں متاخرین اس کے اس قدر دلدادہ کیوں ہو گئے،، ۔(۱)

اقبال اور حلاج کا مقابلہ کرتے ہوئے آخر میں عبدالمالک صاحب لکھتے ہیں :—

''اس میں شک نہیں کہ مستیٔ کردار کے لحاظ سے اقبال کو حلاج سے کوئی نسبت نہیں، یہاں تک کہ دار و رسن تو بڑی چیز ہے، وہ سیاسی دنیا میں محمد علی جوہر، داس، اجمل اور نہرو بھی نہ بن سکے ۔ ہم اقبال کو عملی انسان نہیں مانتے ۔ صرف ان کے افکار سے بحث ہے اور اس اعتبار سے ہندوستان کا کوئی شاعر ان سے آنکھ نہیں ملا سکتا ۔ اقبال کی اس شاعری کو تصوف و فلسفہ نے اس بلند مرتبہ تک پہنچایا ،، (۲)

آروی صاحب ابھی اقبال و حلاج کے موازنہ ہی سے نبٹنے نہ پائے تھے کہ انہوں نے اقبال کی بے عملی کا غیر متعلق اور بے محل ذکر چھیڑ دیا جس سے ان کے غیر متوازن خیالات کا پتہ چلتا ہے ۔ بہر حال بعض ناقدین نے سیاسیات کے سلسلہ میں یہ اعتراض کیا ہے کہ اقبال ''گفتار کے غازی،، تھے ''کردار کے غازی،، نہیں تھے، جیسا کہ انہوں نے خود بھی کہا ہے :—

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا وہ غازی تو ہوا کردار کا غازی بن نہ سکا

لیکن خود اقبال اس اعتراض کا جواب دے چکے ہیں ۔ چنانچہ ایک مرتبہ

---

(۱) مکاتیب حصہ اول، صفحہ ۵۴ - ۵۵
(۲) اقبال کی شاعری، صفحہ ۸۶

مولانا محمد علی نے جب ان سے اس بارے میں سوال کیا تھا تو انہوں نے مذاقیہ پیرایہ میں جواب دیا تھا کہ :—

"میں تو قوال ہوں، میں گاتا ہوں تم ناچتے ہو، کیا تم چاہتے ہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ ناچنا شروع کر دوں" (۱)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح فطرت میں تقسیم عمل ہے اسی طرح افراد میں بھی تقسیم عمل ہونی چاہئے۔ جس شخص کی نظر اقبال کی ان بیش بہا اور گراں قدر خدمات پر ہے جو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی انجام دی ہیں، وہ ہرگز اقبال کو "بے عمل" نہیں کہہ سکتا کہ جس نے نہ صرف مسلمانوں کو عمل کی تعلیم دی بلکہ ان میں قوت عمل پیدا کر دی۔ خلیفہ عبدالحکیم صاحب نے نہایت معقول جواب دیا کہ :—

"وہ شاعری جو ایک قوم کے قلب کو متحرک کردے اگر بجائے خود ایک کردار و عمل ہے تو اقبال کی زندگی پیہم عمل تھی"۔ (۲)

اقبال کے نظریۂ تصوف کے متعلق آل احمد سرور کا یہ بیان دلچسپی سے پڑھا جائے گا :—

"اقبال کے سارے فکر کا اساس مذہب ہے۔ اقبال کے یہاں یہ محض وجدانی طور پر نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس کی تشریح میں موجودہ طبیعیاتی و کائناتی علم سے بھی مدد لی ہے۔ اقبال کے نقطۂ نظر میں اور بعض صوفیوں کے نقطۂ نظر میں بہت فرق ہے۔ صوفی فنا کے قائل ہیں، اقبال بقا کے۔ فنا کا نظریہ بے عملی و بے حرکتی کی طرف لے جاتا ہے، بقا کا سرگرمی کی طرف۔ صوفی و ملا کے خلاف اقبال نے اس وجہ سے جہاد کیا ہے

(۱) آثار اقبال، صفحہ ۲۸

(۲) تاریخ فلسفہ از سر رادھا کرشنن، ج ۱، صفحہ ۵۴۴

کہ ان کا اسلام محکومی و نومیدئ جاوید کا اسلام ہے ۔ وہ فقط سستیٔ احوال کے قائل ہیں، اقبال چستیٔ کردار پر زور دیتے ہیں ۔ جبر و اختیار کو بھی وہ اس خودی کے نظریے کے ماتحت دیکھتے ہیں ۔ جبر کا نظریہ انسان کے ہاتھ پاؤں بھی کاٹ دیتا ہے اور اسے بے بس اور مجبور ایک اندھی مشیت کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے اور ''اختیار،، تو وہ اپنی اور دوسروں کی تقدیر بدل دیتا ہے،، ۔(۱)

اقبال نے اکابر صوفیہ کی تصانیف اور صوفی شعراء کے کلام کا بنظر غائر مطالعہ کیا تو انہیں پورے ادبیات تصوف پر جدید افلاطونی فلسفہ (Neo-Platonism) کے اثرات نظر آئے جس کو اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے ۔ چنانچہ اپنے ایک مکتوب مورخۂ ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۱۶ع میں تحریر فرماتے ہیں :—

''یہی افلاطونیت جدید جس کا اشارہ میں نے اپنے مضمون میں کیا ہے فلسفۂ افلاطون کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے جس کو اس کے ایک پیرو(Plotinus) نے مذہب کی صورت میں پیش کیا . . . . . مسلمانوں میں یہ مذہب حران کے عیسائیوں کے تراجم کے ذریعہ پھیلا اور رفتہ رفتہ مذہب اسلام کا ایک جزو بن گیا ۔ میرے نزدیک یہ قطعاً غیر اسلامی ہے اور قرآن کریم کے فلسفہ سے اسے کوئی تعلق نہیں ۔ تصوف کی عمارت اس یونانی بیہودگی پر تعمیر کی گئی ہے،، ۔(۲)

---

(۱) نئے پرانے چراغ

(۲) مکاتیب اقبال بنام محمد نیازالدین خاں، صفحہ ۱-۲ ، مطبوعہ بزم اقبال لاہور ۱۹۵۳ع

اس مکتوب میں وہ تصوف کے عملی اور اخلاقی حصہ کو قابل قدر بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں :—

''تصوف کے اُدبیات کا وہ حصہ جو اخلاق و عمل سے تعلق رکھتا ہے نہایت قابل قدر ہے کیونکہ اس کے پڑھنے سے طبیعت پر سوز و گداز کی حالت طاری ہوتی ہے ۔ فلسفہ کا حصہ محض بیکار ہے اور بعض صورتوں میں میرے خیال میں تعلیم قرآن کے مخالف۔ اس فلسفہ نے متآخرین صوفیہ کی توجہ صور و اشکال غیبی کی طرف کردی اور ان کا نصب‌العین محض غیبی اشکال کا مشاہدہ بن گیا، حالانکہ اسلامی نقطۂ خیال سے تزکیۂ نفس کا مقصد محض ازدیاد یقین و استقامت ہے ۔ اخلاقی و عملی اعتبار سے متصوفین اسلامیہ کی حکایات و معقولات کا مطالعہ نہایت مفید ہے ۔ لیکن دین کی اصل حقیقت ائمہ اور علما کی کتابیں پڑھنے ہی سے کھلتی ہے ،، ۔(۱)

اسلامی فلسفہ اور تصوف پر عجمی اثرات کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ فارسی شاعری اور ادبیات میں بھی اقبال کو تمامتر عجمی خیالات کا عکس نظر آیا جس نے نہ صرف ایرانیوں بلکہ ہندوستان والوں کو بھی بڑی حد تک متاثر کیا ہے حتیٰ کہ ان کا ادبی نصب‌العین بھی بدل کر عجمی ہو گیا ہے ۔ آخر کار انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ تصوف کے ان غیر اسلامی عناصر کو بےنقاب کرکے حقیقی اسلام کو ان کے خالص رنگ میں پیش کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے مثنوی اسرار خودی تصنیف کی ۔ اس کے متعلق اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں—

''ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں ۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب‌العین اور غرض و

(۱) مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خاں، ص ۲

غایت سے آشنائی نہیں ۔ ان کے لٹریری آئیڈیل بھی ایرانی ھیں۔ میں چاھتا ھوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں جس کی اشاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ھوئی ۔ صوفی لوگوں نے اسے تصوف پر ایک حملہ تصور کیا ھے اور یہ خیال کسی حد تک درست بھی ھے ۔ انشاءاللہ دوسرے حصہ میں دکھاؤں گا کہ تصوف کیا ھے اور کہاں سے آیا اور صحابہ' کرام کی زندگی سے کہاں تک ان تعلیمات کی تصدیق ھوتی ھے جس کا تصوف حامی ھے،، ۔ (۱)

اس مثنوی لکھنے کے اسباب و محرکات کے سلسلہ میں اقبال لکھتے ھیں کہ:

"مذھب بغیر قوت کے محض ایک فلسفہ ھے ۔ یہ نہایت صحیح مسئلہ ھے اور حقیقت میں مثنوی لکھنے کا یہی خیال محرک ھوا ۔ میں گذشتہ دس سال سے اسی پیچ و تاب میں ھوں،، (۲)

چنانچہ انہوں نے یہ مثنوی لکھنی شروع کی جو سنہ ۱۹۱۴ع میں مکمل ھو گئی ۔

اسرار خودی

اس کی تصنیف میں دو سال لگ گئے ان کا اپنا بیان ھے کہ:

" یہ دو سال میں لکھی گئی مگر اس طرح کہ کئی کئی ماہ کے وقفوں کے بعد طبیعت مائل ھوتی رھی ۔ چند اتوار کے دنوں اور بعض بے خواب راتوں کا نتیجہ ھے ۔ اگر پوری فرصت ھوتی تو غالباً اس

(۱) مکاتیب اقبال، حصہ اول، ص ۲۳ - ۲۴ -

(۲) مکاتیب اقبال ۔ مکتوب مورخہ ۴ ۔ ا کتوبر سنہ ۱۹۱۵ع -

موجودہ صورت سے یہ مثنوی بہتر ہوتی ۔ اس کا دوسرا حصہ بھی ہوتا اور وہ اس حصہ سے زیادہ لطیف ہوتا ، کم از کم مطالب کے اعتبار سے ،، ۔ (۱)

اس مثنوی میں اقبال نے اپنے فلسفہ کے مرکزی خیال یعنی ''تخلیقی انا،، یا نظریہ' خودی کو پیش کیا ہے اور اس میں انہوں نے حکیم افلاطون اور اس کے ہم مشرب صوفیوں کی مذمت کی ہے ۔ اسی ضمن میں انہوں نے خواجہ حافظ شیرازی کو مورد طعن بنایا اور ان کو بھی ''گوسفندوں،، میں شمار کیا :

بے نیاز از محفل حافظ گذر
الحذر از گوسفنداں الحذر (۲)

اس پر صوفیہ کا ایک طبقہ ان سے برہم ہو گیا جنہوں نے اصل حقیقت پر غور کئے بغیر اقبال کو مورد طعن بنایا اور احتجاج کے طور پر ان کے خلاف اخباروں میں زور شور سے مضامین لکھے ۔ اس مہم میں اقبال کے دوست خواجہ حسن نظامی صاحب سب میں پیش پیش تھے ۔ ایک مدت تک اخباروں میں اس مثنوی کے خلاف مضامین نکلتے رہے اور اقبال کے نظریہ' خودی کو انانیت اور تکبر سے تعبیر کیا گیا ۔ حالانکہ دیباچہ میں انہوں نے اس کی کافی تصریح کر دی تھی کہ '' یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے ۔ اس کا مفہوم احساس نفس یا تعین ذات ہے ۔ مرکب لفظ بے خودی میں بھی اس کا یہی

---

(۱) مکتوب بنام اکبر الہ آبادی ، مورخہ ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۹۱۵ع ۔ مکاتیب حصہ دوم صفحہ ۴۵ ۔

(۲) خواجہ حافظ کی مذمت میں ۳۵ اشعار لکھے گئے تھے جو بعد کو نکال دیے گئے ۔ رخت سفر میں (ص ۱۱۷ تا ۱۱۹) یہ دوبارہ چھاپے گئے ہیں ۔

مفہوم ہے اور غالباً محسن تاثیر کے اس شعر میں بھی لفظ خودی کے یہی معنی ہیں۔

غریق قلزم وحدت دم از خودی نہ زند
بود محال کشیدن میان آب نفس (۱)

حامیان اقبال نے بھی ان مخالفانہ تحریروں کا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اسرار خودی کے جواب میں ایک مثنوی فارسی زبان میں ''راز بیخودی،، کے نام سے لکھی گئی جس کے مصنف پیر زادہ مظفر احمد صاحب متخلص بہ فضلی (پنشنر ڈپٹی کلکٹر محکمۂ انہار پنجاب) تھے۔ یہ مثنوی مطبع حلالی دھلی میں سنہ ۱۹۱۸ع (سنہ ۱۳۳۷ھ) میں شائع ہوئی اور نظام دکن کے نام معنون کی گئی۔ اس ۱۱۴ صفحوں کی مثنوی میں غزلیں اور قصائد حشو و زوائد کی طرح بھرے ہوئے ہیں۔ بقیہ اشعار میں افلاطون اور حافظ کی مدح سرائی کی ہے۔ علامہ اقبال پر فقرے چست کئے ہیں اور بز و گوسفند کے جواب میں کہیں شغال اور خر بتایا ہے اور کہیں دشمن اسلام اور رہزن اسلام کا خطاب دیا ہے۔ اس کے جواب میں شمس العلماء مولانا اسلم جیراج پوری نے ایک تنقیدی مضمون لکھا تھا جو لکھنؤ کے ماہنامہ الناظر بابت فروری سنہ ۱۹۱۹ع میں شائع ہوا۔ اس پر نظر ثانی کرکے انہوں نے جامعۂ ملیہ کے رسالہ جوہر کے اقبال نمبر میں شائع کرایا ہے۔ (۲) اس میں انہوں نے پیر زادہ فضلی کے اعتراضات کا معقول جواب دیا ہے۔ اس طرح

---

(۱) مضامین اقبال، ص ۵۳، مرتبۂ تصدق حسین تاج، مطبوعۂ احمدیہ پریس چار مینار حیدرآباد سنہ ۱۳۶۲ھ۔ اسرار خودی کا یہ دیباچہ طبع اول میں چھپا تھا۔ اس کے بعد دوسرے اڈیشن میں شامل نہیں کیا گیا۔ بعد میں یہ '' مضامین اقبال،، کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

(۲) جوہر اقبال، ص ۱۱۷-۱۳۱

مولوی حکیم فیروز الدین صاحب طغرائی نے ڈاکٹر صاحب کے جواب میں ایک رسالہ ''لسان الغیب،، کے نام سے لکھا تھا جو بقول مولانا اسلم ''سوال از آسماں جواب از ریسماں،، کا مصداق ہے۔ فضلی صاحب کی یہ مثنوی خود اقبال کی نظر سے گزر چکی تھی۔ چنانچہ اس کے متعلق وہ اپنے مکتوب مورخہ ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۲۵ع میں لکھتے ہیں :-

''پیر زادہ صاحب کی مثنوی کا حال مجھے معلوم ہے۔ مسلمانان ہند کے دل و دماغ پر عجمی تصوف غالب ہے۔ وہ عربیت کے تخیلات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ میں تو ایک معمولی آدمی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر نبی کریم بھی دوبارہ پیدا ہوکر اس ملک میں اسلام کی تعلیم دیں تو غالباً ملک کے لوگ اپنی موجودہ کیفیات اور اثرات کے ہوتے ہوئے حقائق اسلامیہ کو نہ سمجھ سکیں،، ۔(۱)

اس زمانہ میں پیام مشرق کے جواب میں میر کریم الدین صاحب برق ساکن گوجرہ ضلع لائلپور نے ''پیام آفتاب،، لکھی جو سنہ ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۱ع) میں مطبع وزیر ہند امرتسر سے شائع ہوئی۔ یہ ۹۸ صفحے کی مثنوی فارسی زبان میں ہے اور ناظم کی پست ذہنیت، خود ستائی اور فارسی ادب سے ناواقفیت کا ثبوت۔ ان کی شعر فہمی کا یہ عالم ہے کہ وہ پیام مشرق کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے۔ دیباچہ میں فرماتے ہیں :-

''این نظم های چه حقیقت دارند که ازین ها نسبت به روحانیت هیچ نیست بلکه بر خود داری و معاملات سیاست چند خیالات دیرینه هستند۔ مایان از دوست سخن فهم و نکته شناس پرسیده بودیم که بخیال شما این کتاب پیام مشرق بچه می ماند۔ جواب داد این فقط کار تجارت است نه که خدمت قوم،، ۔

(۱) مکاتیب اقبال، ص ۵۳

لیکن ساتھ ھی اس کے معترف بھی ھیں کہ ''مگر آرے در الفاظ حسن تخیل بخوبی ھویدا شود،، (ص ۳) - ان بزرگوار کو یہ بھی شکایت ھے کہ ''قیمت کتاب مذکور ھم بسیار داشتہ است ماسوائے امرائے دیگرے خرید نتوان کرد،، -

پھر اپنی کتاب سے مقابلہ کرتے ھوئے رقمطراز ھیں :-

''زبان کتاب مذکور از فارسی قدیم است مگر کتاب من پیام آفتاب ھمہ در زبان فارسی موجودہ یعنی زبان سادہ و سلیس نوشتہ شدہ ناظرین خود تمیز خواھند کرد،، (ص۴)

اس کے بعد ان کی فارسی جدید نے عجیب عجیب گل کھلائے ھیں -

غرض کہ ایک مدت تک ''اسرار خودی،، کے خلاف قلمی ھنگامہ برپا رھا۔ ادھر خواجہ حسن نظامی صاحب نے صوفیائے ھند کی نمائندگی کرتے ھوئے اس کے خلاف طول طویل مضامین لکھے جن کے جوابات معتقدین اقبال کی طرف سے ترکی بہ ترکی دئے گئے - اس اخباری جنگ کے مضامین اس قدر کثیر تعداد میں شائع ھوئے کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ھے - اس معرکہ کی تفصیلات آج نایاب ھیں - حال ھی میں محمد عبداللہ قریشی صاحب نے ''معرکۂ اسرار خودی ،،کے نام سے ایک مفصل مضمون مجلہ اقبال لاھور میں لکھا ھے جس میں انھوں نے اس قضیہ کی تمام تفصیلات قلمبند کی ھیں - اس معرکہ کا نتیجہ یہ ھوا کہ اقبال نے خواجہ حافظ کے متعلق جو اشعار لکھے تھے وہ مثنوی سے خارج کر دئے گئے -

سنہ ۱۹۲۰ع میں ڈاکٹر نکلسن (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی) نے اقبال کی اجازت سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جس کے شروع میں ۲۵ صفحوں

کا ایک مقدمہ لکھا اور اس میں اقبال کے نظریہ' خودی کی تشریح کی۔ اس ترجمہ پر یورپ کے کئی اہل قلم نے تبصرے کئے۔

مثنوی مذکور میں اقبال کا روئے سخن خاص طور سے مسلمانوں کی طرف اور عام طور پر عالم انسانیت کی جانب تھا۔ چونکہ دنیا کے ایک زبردست شاعر اور مفکر اعظم کی حیثیت سے ان کی شہرت ہو چکی تھی، اس لئے ان لوگوں نے جو عموماً غیر مسلم ہیں، اقبال پر فرقہ پرستی کا الزام لگایا اور بعض نے تو ان کی تحریک کو مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے تعبیر کیا۔ چنانچہ کیمبرج یونیورسٹی کے فلسفہ کے پروفیسر ڈکنسن نے اسرار خودی کے انگریزی ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے اسلامی افکار کو فرقہ پرستی سے منسوب کیا اور ان پر قوم پرستی کا الزام لگایا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے پروفیسر نکلسن کے نام اپنے ایک خط میں اقبال لکھتے ہیں :۔

''میں نے بیس برس سے زائد دنیا کے فلسفہ کا مطالعہ کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس بنا پر رائے قائم کرنے میں بے تعصبی برت سکتا ہوں۔ میری فارسی مثنویوں کا مدعا اسلام کی وکالت نہیں بلکہ مقصود صرف اس قدر تھا کہ دنیا کے سامنے ایک عالمگیر نصب العین پیش کروں۔ لیکن اس نصب العین کا خاکہ تیار کرتے ہوئے مجھے نا ممکن معلوم ہوا کہ اس نظام معاشرت کو سرے سے نظر انداز کر جاؤں جس کی غایت وجود یہ ہے کہ ذات یا دولت و مرتبہ اور نسل و قوم کے امتیازات کو مٹایا جائے اور جس کی تعلیم یہ ہے کہ ایک طرف معاملات دینی کو بھی برتا جائے اور دوسری طرف انسانی معاملات میں اغراض دنیوی سے قطع نظر کرکے محض احکام الٰہی پر نظر رکھیے۔ یورپ اس قدیم تعلیم سے بیگانہ ہے۔

یہ درس ہم اس کو دے سکتے ہیں،، (۱)

قوم پرست

اقبال کا پیغام صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ اسلام کو تو انہوں نے دنیا کے سامنے بہترین تمدنی نظام کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ اسلام کو مذہب انسانیت سمجھتے ہیں اور جب وہ مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہیں تو گویا انسانوں کو اپنا موضوع سخن بناتے ہیں۔ جن لوگوں کی نظر اقبال کے پورے کلام اور اس کی غرض و غایت پر نہیں ہے ان کی جانب سے ان پر فرقہ پرستی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اگرچہ پیغام اقبال کے انسانی اور عالمگیر ہونے پر بعض اہل قلم نے لکھا ہے اور ان کے کلام سے اس کا ثبوت بھی مہیا کیا ہے لیکن اس اعتراف کے پیش نظر اب تک اس موضوع پر جامعیت کے ساتھ نہیں لکھا گیا جو ناقدین اقبال کا مسکت جواب ہو سکے۔ اس سلسلہ میں شاہ معین الدین احمد ندوی نے ایک جامع مضمون لکھا تھا جو رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے دو نمبروں (جنوری اور فروری سنہ ۱۹۵۰ع) میں شائع ہو چکا ہے۔

اسرار خودی میں اقبال نے تمامتر عمل پر زور دیا ہے۔ خودی کے ارتقاء سے قوت عمل حاصل ہوتی ہے، اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو عمل کی ترغیب دی اور ان کو بتایا کہ زندگی نام ہی عمل کا ہے۔ اس پیغام عمل نے غیر مذاہب کے لوگوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ چنانچہ اقبال کے ایک سکھ دوست نے اسرار خودی کا بھگوت گیتا سے مقابلہ کیا۔ اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ ''میرے ایک سکھ دوست اسرار خودی کا بھگوت

---

(۱) یہ خط مشہور رسالہ (Quest) میں شائع ہوا تھا۔ اس کا ترجمہ معارف اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ع میں شائع ہو چکا ہے۔

گیتا سے مقابلہ کر رہے ہیں ان کی تحریر انگریزی میں ہوگی ،، ۔ (۱)

اس سلسلہ میں مسٹر آصف اے ۔ فیضی اپنے ایک مضمون مطبوعہ' اسلامک کلچر میں لکھتے ہیں :

''اقبال نے اپنی کتاب اسرار خودی میں عمل، عمل اور عمل کے مسئلہ کی اشاعت کی جس کا مقابلہ گیتا کی تعلیم سے کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ کس طرح تصوف نے ہم کو عمل سے غافل بنا دیا ہے اور یہ کہ زبردست کوشش اور بے لوث عمل کے بغیر ہم ہرگز ترقی نہیں کر سکتے ۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ مسئلہ اس قدر حسن و خوبی اور صنعت کے ساتھ سکھایا گیا ہے کہ نوجوانوں کے دل میں اتر گیا ہے،، (۲)

فلسفہ' خودی پر اب تک کوئی جامع اور مبسوط کتاب نہیں لکھی گئی، البتہ گذشتہ چالیس برس میں اس موضوع پر کئی مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ان میں مولانا اسلم(۳) ڈاکٹر یوسف حسین خاں(۴) ڈاکٹر عابد حسین(۵) اور مولانا عبدالسلام ندوی (۶) کی تحریریں قابل مطالعہ ہیں ۔ جناب میکش اکبر آبادی نے مسئلہ خودی پر (نقد اقبال) کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے ۔ اس میں انہوں نے ہندوؤں، عیسائیوں، فلاسفہ اور صوفیہ کے نقطہ' نظر کی وضاحت کی ہے اور اقبال کے فلسفہ' خودی سے ان کا مقابلہ

---

(۱) مکاتیب، حصہ اول ، صفحہ ۲۳۵
(۲) اسلامک کلچر ، جولائی سنہ ۱۹۲۹ع
(۳) جوہر اقبال نمبر ، ص ۱۱۷ تا ۱۳۱
(۴) روح اقبال
(۵) اقبال کا تصور خودی (رسالہ اردو کا اقبال نمبر ص ۱۷ تا ۵۴)
(۶) اقبال کامل، ص ۳۲۰-۳۲۴

کیا ہے (۱) ۔ فلسفہ خودی پر ایک بہترین مضمون ڈاکٹر رفیع الدین ڈائرکٹر اقبال اکیڈیمی کراچی کے قلم سے انگریزی میں Iqbal's Idea of the Self کے عنوان سے مجلہ' اقبال (۲) میں شائع ہوا ہے۔

رموز بیخودی

جیسا کہ خود اقبال کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے وہ اپنی دونوں مثنویوں کو ایک ساتھ شائع کرنا چاہتے تھے۔ مگر ان کو سہلت نہ ملی اور طرح طرح کے موانع پیش آئے ۔ پھر ایک شاعرانہ تصنیف وہ بھی اعلیٰ درجے کی ، پھر غیر زبان میں ، مدتوں میں انجام پاتی ہے۔ یہ مثنوی کس طرح اور کن حالات میں تصنیف ہوتی رہی اور مصنف کی نظر میں اس کی کیا قدر و منزلت ہے، اس کا احوال خود مصنف کی زبانی سن لیجئے :۔

"رموز بے خودی کو میں اپنے خیال میں ختم کر چکا تھا ۔ مگر پرسوں معلوم ہوا کہ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ترتیب مضامین کرتے وقت یہ بات ذہن میں آئی کہ ابھی دو تین ضروری مضامین باقی ہیں ، یعنی قرآن اور بیت الحرام کا مفہوم و مقصود حیات ملیہ اسلامیہ میں کیا ہے ۔ ان مضامین کے لکھ چکنے کے بعد اس حصہ' مثنوی کو ختم سمجھنا چاہئے ۔ ایسے مطالب ذہن میں آتے ہیں کہ خود مسلمانوں کے لئے موجب حیرت و مسرت ہوں گے، کیوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے ملت اسلامیہ کا فلسفہ اس صورت میں اس سے پہلے کبھی اسلامی جماعت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا ۔ نئے اسکول کے مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ یورپ جس قومیت پر ناز کرتا ہے

---

(۱) نقد اقبال از میکش اکبر آبادی ۳۱۶ صفحات مطبوعہ شاہ اینڈ کمپنی آگرہ سنہ ۱۹۵۴ء

(۲) ج ۱ شمارہ ۳، بابت جنوری ۱۹۵۳ء ص ۱ تا ۲۸

وہ محض بودے اور سست تاروں کا بنا ہوا ایک ضعیف چتھڑا ہے۔
قومیت کے اصول تو صرف اسلام نے ہی بتائے ہیں جن کی پختگی اور
پائداری مرور ایام و اعصار سے متاثر نہیں ہو سکتی ،، ۔(۱)

اسرار خودی میں اقبال نے ''خودی،، کا فلسفہ بیان کیا تھا جس کا تعلق فرد سے ہے ، رموز بے خودی میں انہوں نے فرد اور ملت کے ربط کا قانون پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ فرد کی خودی کو جماعت میں گم کر کے کس طرح اس کی قوتوں کو منظم ، منضبط اور پائدار بنایا جا سکتا ہے : ۔

فرد تا اندر جماعت گم شود قطرۂ وسعت طلب قلزم شود
فرد تنہا از مقاصد غافل است قوتش آشفتگی را مائل است
قوم با ضبط آشنا گرداندش نرم رو مثل صبا گرداندش

اس مثنوی پر مصنف نے ایک مختصر سا دیباچہ بھی لکھا ہے اس میں اس کے مقاصد کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

''جس طرح حیات افراد میں جلب منفعت ، دفع مضرت ، تعین عمل و ذوق حقائق عالیہ، احساس نفس کے تدریجی نشو و نما، اس کے تسلسل، توسیع اور استحکام سے وابستہ ہے، اسی طرح ملل و اقوام کی حیات کا راز بھی اسی احساس یا بالفاظ دیگر ''قومی انا،، کی حفاظت ، تربیت اور استحکام میں مضمر ہے اور حیات ملی کا انتہائی کمال یہ ہے کہ افراد قوم کسی آئین مسلم کی پابندی سے اپنے ذاتی جذبات کے حدود مقرر کریں تاکہ انفرادی اعمال کا تباین و تناقض مٹ کر تمام قوم کے لئے ایک قلب مشترک پیدا ہو جائے ۔ افراد کی صورت میں احساس نفس کا تسلسل و استحکام قومی تاریخ کی حفاظت سے ہے۔ گویا قومی تاریخ حیات ملیہ کے لئے بمنزلہ' قوت حافظہ کے ہے جو اس کے

(۱) مکاتیب بنام نیاز الدین خاں، ص ۹

مختلف مراحل کے حسیات و اعمال کو مربوط کرکے ”قومی انا“ کا زمانی تسلسل محفوظ و قائم رکھتی ہے۔ علم‌الحیات و عمرانیات کے اس نکتے کو مد نظر رکھ کر میں نے ملت اسلامیہ کی ہئیت ترکیبی اور اس کے مختلف اجزاء و عناصر پر نظر ڈالی ہے اور مجھے یقین ہے کہ امت مسلمہ کا صحیح ادراک اسی نقطۂ نگاہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ البتہ اس ضمن میں ایک ضروری سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی مختص‌الہیئت جماعت کا انحطاط زائل کرنے اور اس کی زندگی مضبوط و محکم کرنے کے عملی اصول کیا ہیں؟ اس سوال کا مجمل جواب مثنوی کے دونوں حصوں میں آچکا ہے۔ مگر مفصل جواب کے لئے ناظرین کو انتظار کرنا چاہئے۔ اگر وقت نے مساعدت کی تو اس مثنوی کا تیسرا حصہ اس سوال کا تفصیلی جواب ہوگا“۔(۱)

اس دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابھی ایک تیسری مثنوی لکھنے کا ارادہ کر رہے تھے جو قوت سے فعل میں نہ آسکا۔

فلسفہ ”بے خودی“ پر کئی مضامین نکل چکے ہیں جن میں مولانا سید سلیمان (۲) مولانا اسلم (۳) مولوی عبدالسلام ندوی (۴) اور پروفیسر رشید احمد صدیقی (۵) کی تحریریں قابل قدر اور لائق مطالعہ ہیں۔ بشیر احمد صاحب ڈار نے اس موضوع پر انگریزی میں ایک مستقل کتاب Iqbal's Philosophy of Society کے نام سے لکھی ہے (۶)۔

---

(۱) مضامین اقبال، ص ۵۵ (۲) رسالہ معارف
(۳) نوادرات از مولانا اسلم جیراج پوری
(۴) اقبال کامل، ص ۱۲۰
(۵) فلسفۂ بیخودی ۔ آثار اقبال، ص ۲۱۳-۲۳۲
(۶) ۱۳۳ صفحات، مطبوعہ لاہور، سنہ ۱۹۳۳ع ۔

اقبال اور فلسفۂ تعلیم

فکر اقبال کے سلسلہ میں ان کے فلسفۂ تعلیم پر بھی نظر ڈالی گئی ہے ۔ اگرچہ وہ فن تعلیم کے ماہر نہ تھے، نہ انہوں نے اس کی تحصیل کی تھی نہ اس موضوع پر انہوں نے کوئی کتاب لکھی ، بجز اس کے کہ کچھ مدت تک بحیثیت پروفیسر کالج میں درس دیتے رہے ، کوئی مستقل تعلیمی فلسفہ انہوں نے نہیں پیش کیا ۔ با این همه چونکہ ایک فلسفی اور مفکر کی حیثیت سے انہوں نے ایک مخصوص طرز حیات اور ایک مثالی معاشرہ کا تصور پیش کیا ہے، اس بنا پر تعلیم کا مسئلہ انکے نظام فکر میں شامل ہے ۔ جس طرح ان کے علم کا تصور اسلامی ہے، اسی طرح تعلیم سے بھی وہ اسلامی تعلیم مراد لیتے ہیں ۔ اسلامی اساس پر تعلیم کی بنیاد ، مغربی تہذیب و تمدن کی کم مایگی اور موجودہ نظام تعلیم کے نقائص اور مضر اثرات پر انہوں نے گہری نظر ڈالی ہے ۔ اس بنا پر ان کا فلسفۂ تعلیم ایک خاص اہمیت کا مستحق ہے ۔ خواجہ غلام السیدین نے اقبال کے تعلیمی فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس موضوع پر ایک مستقل کتاب Iqbal's Educational Philosophy لکھی ہے(۱) ۔ اس میں انہوں نے جدید ترین تعلیمی نظریوں کا اقبال کے نظریات اور تعلیمی آرا سے مقابلہ کیا ہے اور ان کے کلام سے اس کے شواهد فراهم کئے ہیں ۔ فلسفۂ تعلیم پر انہوں نے اقبال کے خیالات کو ایک مسلسل اور مربوط سلسلہ میں جمع کر دیا ہے، جو علمی حیثیت سے نہایت قابل قدر اور جدید تعلیمی نصب العین کو متعین کرنے میں نہایت مفید اور کار آمد ہیں ۔ خواجہ صاحب کے بعض خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام انہوں نے اقبال کے فلسفۂ تعلیم پر تعلیمی خطبات دینے کی تجویز پیش کی تھی اور اس سلسلہ میں انہوں نے اقبال سے سفارش چاہی تھی ۔ اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ "یونیورسٹی کو

---

(۱) صفحات ۲۳۸، مطبوعۂ محمد اشرف لاہور، طبع ثالث ۱۹۴۵ء ۔

چاهئے کہ وہ خود آپ کو دعوت دے،، ۔ ساتھ ھی یہ بھی لکھ دیا کہ ''میرا تحریر کرنا نا مناسب ھے،، (۱) ۔

تعلیم سے متعلق ان کے افکار و خیالات پر صرف چند مضامین پائے جاتے ھیں ۔ چنانچہ نورالحسن ھاشمی صاحب نے ایک مضمون بعنوان ''اقبال کا نوجوان ،، لکھا ھے اور عائشہ بلقیس عمر نے ''اقبال کا فلسفۂ تعلیم ،، قلم بند کیا ھے ۔ یہ دونوں مضمون کتاب ''حکمت اقبال،، میں شائع ھو چکے ھیں (۲) اور اقبال کے تعلیمی خیالات پر روشنی ڈالتے ھیں ۔

مسلمانان ھند کی تعلیم کے مسئلہ پر اقبال برسوں غور و فکر کرتے رھے ھیں ۔ پنجاب میں ایک اسلامی مرکز کے قیام کی منصوبہ بندی اور اس معاملہ میں شیخ مصطفیٰ المراغی شیخ الازھر سے مشورہ (۳) ان کے بلند تعلیمی نصب العین کا ثبوت ھے ۔ اسی طرح علوم اسلامیہ کی تعلیم سے متعلق ان تجاویز سے جو انہوں نے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کو انگریزی میں لکھ کر بھیجی تھیں (۴) علوم اسلامیہ سے ان کی واقفیت اور ان کے تعلیمی نصب العین کا پتہ چلتا ھے ۔ اسی طرح خالد خلیل بک مشہور ترکی عالم نے اپنے تعلیمی مشاغل کے سلسلے میں بعض تجویزیں طلب کی تھیں ۔ اس کے جواب میں

---

(۱) مکاتیب، حصہ اول، صفحہ ۳۲۴

(۲) حکمت اقبال (مجموعۂ مضامین مرتبۂ غلام دستگیر رشید) ص ۱۱۳ ۱۵۲ و ۲۸۳-۳۱۰ مطبوعہ نفیس اکیڈیمی حیدرآباد دکن

(۳) مکاتیب اقبال

(۴) یہ تحریر اصل انگریزی میں تھی جس کا ترجمہ چودھری محمد حسین نے کیا تھا ۔ پہلے رسالہ سہیل علی گڑھ میں چھپا اور بعد کو مکاتیب میں شامل کیا گیا ۔ یہ مضمون اسلامیات کے عنوان سے فکر اقبال کے مجموعہ میں شائع ھو چکا ھے (ص ۹ تا ۱۱۰) مکاتیب، حصہ دوم، ص ۲۷۲ تا ۲۸۲

اقبال نے ایک مفصل خط لکھا تھا جو اسلامیات اور اس کے نصابات پر مشتمل ہے ۔ سنہ ۱۹۲۷ع میں حکومت افغانستان کے ایما پر انہوں نے ایک تعلیمی منصوبہ تیار کیا تھا ۔ ان نصابات اور تعلیمی منصوبوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کا دائرۂ علم کتنا وسیع تھا اور علوم و فنون پر ان کو کس قدر دسترس حاصل تھی ۔

تاریخ دان اقبال

اقبال نے حیات انسانی خصوصاً اسلامی معاشرہ سے متعلق جن گرانقدر خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب و علل اور ان کے تمدنی و معاشرتی ارتقاء پر گہری نظر رکھتے تھے ۔ انہوں نے تاریخ اسلام کا بڑے غور و فکر سے مطالعہ کیا تھا جس کے متعلق ان کے شعروں، نظموں اور دیگر تمام تحریروں میں بکثرت حوالے اور اشارے پائے جاتے ہیں جو ان کی وسیع تاریخی معلومات کو ظاہر کرتے ہیں ۔ سنہ ۱۹۱۰ع میں انہوں نے علی گڑھ کالج کے اسٹریچی ہال میں ایک خطبہ بزبان انگریزی اس عنوان پر دیا تھا :

Islam As a Social and Political Ideal

اس میں انہوں نے مسلمانوں کی تعلیم و تمدن اور معاشرتی امور میں ان کی پستی و زوال کے اسباب سے بحث کرتے ہوئے ابن خلدون کی طرح قوموں کے اخلاقی تجربہ کا ذکر کیا ہے، جو خاص معین قوانین کے تابع ہوتے ہیں ۔ انہوں نے علم الاجتماع کی رو سے قوموں کی قابلیتوں کے تین دور (۱) شجاعت (۲) مروت اور (۳) ضبط نفس مقرر کئے ہیں ۔ اور جماعتوں پر اس سیرۃ انسانی کے رد عمل کے سلسلہ میں انہوں نے ہندوستان کے عہد مغلیہ سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :

---

(۱) مترجمہ ظفر علی خان "ملت بیضا پر ایکہ عمرانی نظر"

"ہندوستان میں جب ہم اسلامی جماعت کے ارتقاء کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تیمور اسلوب اول کا مظہر نظر آتا ہے۔ بابر اسالیب اول دوم کے امتزاج کو ظاہر کرتا ہے، جہانگیر اسلوب ثانی کے سانچے میں خصوصیت کے ساتھ ڈھلا ہوا ہے اور عالمگیر، جس کی زندگی اور کارنامے میری دانست میں ہندوستان کی اسلامی قومیت کے نشو و نما کا نقطہ' آغاز ہیں، اسلوب ثالث کا چہرہ کشا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک جنہوں نے عالمگیر کے حالات تاریخ ہند کے مغربی شارحین کی زبانی سنے ہیں، عالمگیر کا نام بیفائی و قساوت، جبر و استبداد، مکاری و غداری اور پولیٹکل سازشوں اور منصوبوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ خلط مبحث کا خوف مانع ہے ورنہ میں متعاصرانہ تاریخ کے واقعات کی صحیح تعبیر و تفسیر سے ثابت کرتا کہ عالمگیر کی پولیٹکل زندگی کی وجوہ تحریک سراسر جائز اور حق بجانب تھیں۔ اس کے حالات زندگی اور اس عہد کے واقعات کا بنظر انتقاد مطالعہ کرنے کے بعد مجھے یقین واثق ہو گیا ہے کہ جو الزامات اس پر لگائے جاتے ہیں وہ واقعات متعاصرہ کی غلط تعبیر اور ان تمدنی و سیاسی قوتوں کی غلط فہمی پر مبنی ہیں جو ان دنوں سلطنت اسلام کے طول و عرض میں عمل کر رہی تھیں"۔—(۱)

عالمگیر کے سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر یہاں نامناسب نہ ہوگا۔ کوئی بیس پچیس برس ہوئے جب میں کتاب مرآۃ عالمگیری کا مقدمہ لکھ رہا تھا تو علامہ اقبال کا یہ لکچر میری نظر سے گزرا اور عالمگیر کی تاریخ پر ان کی وسعت نظر کا مجھے پہلی مرتبہ علم ہوا۔ چنانچہ میں نے اپنا مسودہ ان کی خدمت میں بھیج دیا اور اس پر ان کی رائے طلب کی۔ انہوں نے مسودہ میں کئی جگہ اصلاحی الفاظ اور عبارتیں بڑھائیں اور بعض جگہ حواشی لکھے اور ساتھ ہی

---

(۱) ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر، صفحہ ۱۰، انجمن معین الاسلام لاہور۔

یہ عجیب بات بھی لکھ دی کہ عالمگیر نے گاؤ کشی کی ممانعت کرا دی تھی اور اس اطلاع کے لئے انہوں نے اسٹینلی لین پول کا حوالہ دیا تھا ۔ حالانکہ عالمگیر کی کسی تاریخ میں یہ واقعہ میری نظر سے نہ گزرا تھا اور لین پول کا حوالہ اگرچہ کچھ زیادہ قابل استناد نہیں ہو سکتا تاہم وہ ایسا مؤرخ تو نہیں ہے جو بلا حوالہ و سند کوئی بات لکھ دے ۔ ممکن ہے کسی فارسی تاریخ میں یہ بات اس کی نظر سے گزری ہو ۔ بہر حال اس میں شک نہیں ہے کہ اسلامی ملکوں کی طرح اسلامی ہند کی تاریخ پر بھی انہیں کافی عبور تھا۔ صدیق رضہ، جنگ یرموک کا واقعہ، غلام قادر روہیلہ اور متعدد تاریخی نظموں میں اسلامی تاریخ سے ان کی گہری واقفیت کا ثبوت ملتا ہے ۔ خصوصاً ان سوز و گداز بھری ہوئی نظموں سے جو انہوں نے اندلس اور صقلیہ پر لکھی ہیں ، ان کی وسیع تاریخی معلومات کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اقبال کی تاریخ دانی پر لکھنے کے لئے ان کی نظموں اور تحریروں میں کافی مواد موجود ہے مگر اب تک غالباً اس موضوع پر کچھ نہیں لکھا گیا ۔

باب چہارم

اقبال اور سیاسیات

جس طرح اقبال کا تصور حیات فرد اور ملت کے باھمی ربط اور اقتدار اعلیٰ، یعنی اپنے خالق سے ان دونوں کے تعلق پر مبنی ھے، اسی طرح ان کا نظریہ سیاست بھی ان خصوصیات سہ گانہ کا حامل ھے اور ایک ایسے مخصوص اخلاقی نصب العین پر قائم ھے جو ایک وسیع ترین الٰہی نظام حکومت کے ذریعہ سادی اور اخلاقی حیثیت سے انسانوں کو زندگی کے اعلیٰ ترین مدارج پر فائز کر دیتا ھے۔ یہ وحی و تنزیل کی اساس پر ایک فلسفہ، ایک ضابطہ حیات ھے، افراد کی زندگی بھر کی ھدایت کے لئے، مہد سے لحد تک اور لحد سے عالم آخرت تک۔ ان کے نزدیک بہترین ادارۂ حکومت ایک ایسی عالمگیر اسلامی سیاسی وحدت اور ھیئت اجتماعیہ ھے جو تمام انسانوں کی موزوں ترین حاکم اعلیٰ ھے۔ ایک عالمگیر اور متحدہ ملت کا تخیل جو کسی نسلی یا وطنی حیثیت سے محدود نہ ھو، صرف اسلام ھی پیدا کر سکتا ھے۔ اس کے متعلق اجلاس مسلم لیگ منعقدہ الہآباد ۱۹۳۰ء کے خطبہ صدارت میں اقبال نے کہا تھا:۔

> ''جماعت اسلامی کی ترکیب صرف اسلام ھی کی رھین منت ھے، کیوں کہ اسلامی تمدن کے اندر ایک مخصوص اخلاقی روح کار فرما ھے۔ میرا مطلب یہ ھے کہ مسلمانوں کے اندرونی اتحاد اور ان کی نمایاں یکسانیت ان قوانین و ارشادات کی رھین منت ھے جو تہذیب اسلامی سے وابستہ ھیں'' (۱)۔

---

(۱) مضامین اقبال، ص ۱۰۸ - ۱۰۹

اقبال کے نزدیک سچا مذہب اسلام، عالمگیر اسلامی حکومت ایک بہترین نظام اور ملت اسلامیہ عالم انسانیت کی رہنما اور حاکم ہے، جو ایک آزاد و مستحکم اخوت ہے ؛ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور محبت سے مسلسل اور مربوط ، جس کا مرکز کعبۃ اللہ ہے ؛ نبی خاتم الانبیا ہیں ؛ اس کے ساتھ ہی ان کی امت بھی خاتم اقوام ہے :-

جس طرح احمد مرسل ہوئے نبیوں میں امام
ان کی امت بھی ہے دنیا میں امام اقوام

رونق از محفل ایام را او رسل را ختم و ما اقوام را

اور خدا کا پیغام بھی آخری پیغام ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دنیا ۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد بر رسول ما رسالت ختم کرد
خدمت ساقی گری با ما گزاشت داد ما را آخریں جامے کہ داشت

اس لئے اس امت کا یہ فرض ہے کہ وہ دنیا کے نظام کو مکمل کرکے اسے روحانی زندگی کے اعلیٰ ترین مدارج پر پہنچا دے جو انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے :-

سروری در دین ما خدمت گری است
عدل فاروقی و فقر حیدری است

نظریۂ قومیت

اقبال کا نظریۂ قومیت تمام تر احکام الہی اور ارشادات نبوی کے تحت ایک ایسے انسانی معاشرہ پر قائم ہے جو نسلی امتیازات اور ملکی و وطنی بندشوں سے آزاد ہے جن کو اسلام نے مٹا دیا ہے۔

انہوں نے ہندوستان اور یورپ میں قومیت اور وطنیت کی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے دیکھے جو تہذیب و انسانیت کو جلا کر خاکستر کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کے خلاف انہوں نے سخت قلمی جہاد کیا اور جا بجا اپنے شعروں، تقریروں اور تحریروں میں اس پر تنبیہ کی اور مسلمانوں کو اس سے محترز رہنے کی ہدایت کی ہے۔ اسی سلسلہ میں جب مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ ''اقوام اوطان سے بنتی ہیں،، تو اقبال نے ان کو سختی سے ٹوکا اور اس پر تعجب کا اظہار کیا:—

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

آخر میں فرماتے ہیں:—

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسی ایں تمام بو لہبی است

مولانا موصوف نے اس کے جواب میں لمبے چوڑے بیانات دئے اور الفاظ قوم اور وطن کی عربی لغتوں سے تشریح کی۔ اقبال نے بھی اس کا جواب دیا اور ان کے لغوی استدلال کے جواب میں یہ شعر کہا:—

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر قاروں ہے لغتہای حجازی کا (۱)

یہ مباحثہ اس وقت کے اخباروں میں چھپ چکا ہے اور کتابی صورت میں بھی شائع ہو گیا ہے۔

---

(۱) اقبال کا یہ مضمون مولانا حسین احمد کے مضمون کے جواب میں اخبار احسان مورخہ ۹ مارچ سنہ ۱۹۳۸ع میں شائع ہوا تھا جو تقاریر و بیانات اقبال، انگریزی اڈیشن میں شامل ہے، ص ۲۲۳ تا ۲۳۹

اقبـال کے سیاسی افکار کو بعض ناقدین اور معترضین، بلکہ بعض نادان دوستوں نے بھی ایسے رنگ میں پیش کیا ھے جس سے یہ ظاھر ھوتا ھے کہ اقبـال کے کوئی مستقل سیاسی رجحانات نہیں تھے بلکہ وہ بار بار بدلتے رھتے تھے ۔ یعنی ابتدا میں وہ ھندوستانی وطنیت کے جذبہ سے سرشار تھے، پھر اسلامی ممالک کی سیاسیات سے متأثر ھوکر ملت کی سیاسیات کی طرف مائل ھوگئے ۔ پھر اشتراکیت، اشتمالیت اور فاشیت سے متأثر ھو گئے، اور ان کی حمایت کرنے لگے۔ لیکن ان کے کلام پر غائر نظر رکھنے والے جانتے ھیں کہ اس قسم کے خیالات جو ان کی مختلف نظموں اور اشعار میں ظاھر ھوئے ھیں، ان کے مرکزی نظام فکر سے تعلق رکھتے ھیں ۔ بلکہ ابتدا ھی سے انھوں نے اپنے سیاسی خیالات کا ایک مرکز مقرر کر لیا تھا جو ان کی زندگی کے آخری دور میں منظم شکل میں ظاھر ھوا ۔ اس لحاظ سے ان کے ابتدائی دور کی نظمیں اس مرکزی خیال کے کسی نہ کسی خوش آیند پہلو پر مبنی ھیں ۔ ''خذ ما صفا و دع ما کدر،، کے زرین اسلامی اصول پر ھمیشہ ان کی نظر رھی ھے ۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہ ھوگا کہ وہ کسی فوری جوش یا جذبہ کے ماتحت اس قسم کی چیزیں لکھتے رھے ۔ ان کے سیاسی افکار کو منظم صورت میں ان کی پچھلی تصانیف میں دیکھنا چاھئے ۔ اقبـال کے سیرۃ نگار ان کو سیاست داں تو مانتے ھیں، لیکن ان کو ''عملی سیاست داں،، کہتے ھوئے ھچکچاتے ھیں ۔ حالانکہ بانیٔ پاکستان مرحوم محمد علی جناح جیسے مسلم ماھر سیاست نے ان کو عملی سیاست داں تسلیم کیا ھے ۔ یوم اقبـال منعقدۂ ۹ دسمبر سنہ ۱۹۴۲ع کے لئے اپنے پیغام میں انھوں نے کہا تھا کہ :-

''وہ ایک بڑے شاعر اور فلسفی تو تھے ھی، لیکن عملی سیاست دان کی حیثیت سے بھی کم نہیں تھے،،- (۱)

---

(۱) Some Recent Speeches of Mr. Jinnah جلد ۲، ص ۱۳۲-۱۳۳

ان حضرات کے نزدیک کوئی شخص عملی سیاست داں نہیں ہو سکتا جب تک وہ سیاسی جماعتوں کے ساتھ تمام کاموں میں شریک نہ ہو۔ دھواں دھار اور ہنگامہ آفریں تقریروں سے عوام کے دلوں میں جوش پیدا کر کے ان کو نہ ابھارے، جیلوں میں نہ جائے، ارباب حکومت پر رات دن جا و بیجا نکتہ چینیاں اور کڑی تنقیدیں نہ کرے ، پھر اقبال چونکہ خطاب یافتہ تھے اس لئے ان پر انگریز دوستی کا الزام لگایا گیا۔ ان کے بعض مخلص دوستوں کو بھی یہ اندیشہ ہو چلا تھا کہ ''انہوں نے اپنی آزادی اور جرأت و بے باکی کا گلا خود اپنے ہی ہاتھوں سے گھونٹ دیا ہے،، چنانچہ میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم نے اپنے ایک خط میں اس اندیشہ کا اظہار کیا تو اس کے جواب میں اقبال نے صاف لکھ دیا کہ :۔

''قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و بر تر وجود کی جس کے ذریعہ سے مجھ کو خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں، دنیا کی کوئی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی انشاء اللہ۔ اقبال کی زندگی مومنانہ نہیں اس کا دل مومن ہے،،۔ (۱)

اس کے علاوہ ان کی کونسل کی ممبری ، گول میز کانفرنس میں حکومت کی طرف سے نامزدگی اور شرکت، بعض زعمائے ملت سے ان کا اختلاف رائے، ان امور کی بناء پر اقبال کو ان کے بعض مخالفین اور ناقدین نے مطعون کیا ہے۔ لیکن جن حالات میں یہ چیزیں ظہور میں آئیں ان کو پیش نظر نہیں رکھا اور صحیح باتوں سے اغماض کیا ہے۔

اقبال اور پین اسلامزم

اقبال پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ وہ پین اسلامزم (Pan-Islamism) کے حامی تھے حالانکہ خود اقبال

---

(۱) مکاتیب اقبال، حصہ اول، ص ۲۰۶ - ۲۰۷

نے اس خیال کی تردید کر دی ہے کہ ان کے نزدیک اس لفظ کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔(۱) چنانچہ اپنے ایک بیان متعلقہ ”پین اسلامزم“ مجریہ ۱۹ ستمبر ۱۹۳۳ء میں فرماتے ہیں :—

”یہ سیاسی پین اسلامزم کوئی وجود ہی نہیں رکھتا اور اگر یہ کبھی موجود تھا تو صرف ان لوگوں کے تخیل میں جنہوں نے اس کو وضع کیا غالباً عبدالحمید خاں سلطان ترکی کے ہاتھوں میں ایک ہتھیار دینے کے لئے۔ جمال الدین افغانی کو جن کا نام اس تحریک پین اسلامزم سے وابستہ کیا جاتا ہے، مسلمانوں کو ایک سیاسی حکومت کی صورت میں متحد کرنے کا کبھی خواب میں بھی خیال نہیں ہوا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ کسی اسلامی زبان — عربی، فارسی یا ترکی — میں ایسا کوئی فقرہ نہیں ہے جو پین اسلامزم کا مترادف ہو۔ بہر حال یہ صحیح ہے کہ اسلام ایک معاشرہ کی حیثیت سے نہ صرف تمام مسلمانوں اور قوموں، بلکہ تمام مذاہب کے اجتماع کے لئے نسل، قومیت یا جغرافیائی حدود کا قائل نہیں ہے۔ اس انسانی نصب‌العین کے مفہوم میں اگر کوئی شخص سادہ لفظ ”اسلام“ پر ”پین اسلامزم“ جیسے غیر ضروری اور طویل فقرہ کو ترجیح دینا پسند کرے، تو ایسا پین اسلامزم موجود ہے اورہمیشہ رہے گا“۔(۲)

اسی طرح وہ مسئلۂ خلافت میں بھی بعض مسلمان حکومتوں کے نظریۂ خلافت سے اختلاف رکھتے تھے جس پر ان کے یہ اشعار گواہ ہیں :—

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی

---

(۱) مکاتیب اقبال
(۲) تقاریر و بیانات (انگریزی)، ص ۲۰۴

نہیں تجھکو تاریخ سے آگہی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشائی
"مرا از شکستن چنان عار ناید
کہ از دیگران خواستن مومیائی"

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تحریک خلافت میں کبھی حصہ نہیں لیا۔

ملکی اصلاحات

جس طرح اقبال نے انسانی معاشرہ کی اصلاح کے لئے خصوصاً مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے مدت دراز تک نہایت قابل قدر خدمات انجام دیں، اسی طرح انہوں نے ملکی اصلاحات میں بھی بڑا حصہ لیا۔ اور سیاسی، قانونی اور معاشرتی اصلاح میں بحیثیت زعیم‌ملت انہوں نے اپنا کردار ادا کیا۔ آئینی معاملات میں ان کی نظر ہمیشہ ملک و ملت کے مفاد پر رہی ہے۔ ایک غیر اسلامی حکومت کے سامراجی اقتدار کے باوجود انہوں نے حکمراں طبقہ کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی اور کبھی کبھی ان کے مورد عنایات ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے اصولوں سے منحرف نہیں ہوئے۔ پنجاب کونسل میں اقبال نے مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے ان کی ترقی و فلاح کے لئے کئی سوالات اٹھائے۔ خصوصاً غریب مزدور اور کاشتکار طبقہ کے ساتھ بڑی ہمدردی دکھائی اور زمینداروں کے سود اور ان کے مالیہ کو کم کرانے اور محصول آمدنی اور لگان میں فرق دکھا کر ان کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ دیہات میں حفظان صحت کی ترقی، وباؤں کا سدباب کرنے اور دیہاتیوں کو ہر قسم کی طبی امداد سرکاری طور پر بہم پہنچانے، فروخت اراضی کی رقم سے کاشتکاروں کا حصہ دلانے، شراب نوشی کا انسداد، اور تلوار کو قانون اسلحۂ ہند سے مستثنیٰ کرانے میں بڑی جد و جہد کی۔ بانیان مذاہب پر توہین آمیز اور شر انگیز حملوں کو جرم قرار دینے کا قانون

انہوں نے منظور کرایا جو سنہ ۱۹۲۷ء سے اب تک جاری ہے ۔ اس قسم کی کئی اصلاحات نافذ کرنے میں اقبال نے اپنی قانون دانی، تجربہ اور وسیع معلومات کی بناء پر ملک و قوم کو بڑا فائدہ پہنچایا ۔ ملکی اصلاحات کے علاوہ کئی آئینی اصلاحات بھی اقبال کی دماغی قابلیت کی رہین منت ہیں ۔ ان امور پر ان کی تقریروں اور بیانات سے کئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ علاوہ بریں منشی محمد الدین صاحب فوق نے اپنے مضمون میں اس قسم کی کئی باتیں جمع کر دی ہیں (۱) جن سے ان کی اصلاحی کار گزاریوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

اقبال اور پاکستان

اقبال نے مسلم لیگ میں شریک ہوکر مسلمانوں کی عظیم‌الشان سیاسی خدمات انجام دیں ۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے لیگ کے اجلاس منعقدۂ الہ آباد کی صدارت کی تھی اور اپنے خطبۂ صدارت میں پہلی مرتبہ مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے قیام کی تجویز پیش کی تھی ۔ لیگ کے مقاصد کو پورا کرنے میں انہوں نے قائد اعظم کا ہاتھ بٹایا ۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور مفادات سے متعلق قائد اعظم کو ان کے سیاسی آرا و افکار سے پورا اتفاق تھا ۔ چنانچہ خطوط اقبال کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :—

> ''ان (اقبال) کے خیالات فی‌الحقیقت میرے اپنے خیالات سے بالکل متفق تھے جن کی بناء پر میں بھی انہیں نتائج پر پہنچا ہوں جو ہندوستان کے آئینی مسائل کے غائر مطالعہ و تحقیق کا نتیجہ ہیں، اور جو آگے چلکر مسلم ہند کے متحد ارادہ کی شکل میں لیگ کے اجلاس لاہور کی اس قرار داد میں ظاہر ہوئے جو عام طور پر

---

(۱) ''ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال کے مختصر سوانح حیات ،، منہ‌رجہ نیرنگ خیال، اقبال نمبر، ص ۴۴ تا ۴۸

' قرار داد پاکستان ، کے نام سے مشہور ھے،، ۔ (۱)

قائد اعظم کو ان پر کلی اعتماد تھا اور وہ ھر معاملہ میں ان کی مدد کرتے اور دست راست کی حیثیت سے کام کرتے تھے جیسا کہ ان کے خطوط سے بخوبی ظاھر ھوتا ھے ۔ قائد اعظم نے بھی اس کا اعتراف کیا ھے ۔ چنانچہ اپنے پیغام تعزیت میں جاوید اقبال کو لکھتے ھیں :۔

،،میرے وہ ایک دانشمند دوست اور رھنما تھے ۔ مسلم لیگ کے نازک ترین اوقات میں وہ ایک چٹان کی طرح کھڑے رھے اور لمحہ بھر کے لئے بھی ان کے قدم نہیں ڈگمگائے،، ۔

اقبال اور پاکستان

اقبال کی سب سے بڑی خدمت ان کا نظریہ' اسلامی حکومت یا تجویز پاکستان ھے جس نے مسلمانوں کو نہ صرف غیر مسلم قوموں کی ایذا رسانی اور غلامی سے نجات دلائی ، بلکہ ان کو اپنے مذھب، معاشرت اور ثقافت کو محفوظ رکھنے کا زریں موقع عنایت کیا ۔

ھندوستان میں ایک ،، اسلامی ھند ،، قائم کرنے کا خیال کسی ذاتی یا سیاسی غرض پر مبنی نہیں تھا، نہ اس سے کوئی سیاسی اقتدار حاصل کرنا مقصود تھا ۔ مسلمان سیاست دانوں میں کئی ایسے لوگ ھیں جن کے نزدیک پاکستان کا قیام صرف ھندو اکثریت کا خوف اور اس سے نجات حاصل کرنے کا ایک ذریعہ تھا یا محض اقتدار کی ھوس ۔ مگر چونکہ اقبال کی فکر کا محور روح اسلام کی بقا اور قیام تھا اس لئے مادی فوائد اور اقتدار میں ان کے لئے کوئی کشش نہ تھی ۔ لہذا انہوں نے ھندو اکثریت کے خوف سے نہیں ، بلکہ محض اس لئے کہ مسلمان صحیح طور پر اسلامی زندگی بسر کر سکیں اور ایک مثالی معاشرہ قائم کریں ، انہوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا، جس کا

---

(۱) پیش لفظ خطوط اقبال بنام جناح ، ص ۴ - ۵ ، مطبوعہ محمد اشرف لاھور ۔

مقصد انہوں نے مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہ آباد ۱۹۳۰ع کے خطبہ صدارت میں ان الفاظ میں واضع کیا تھا :—

"میں صرف ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں ۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازن قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا اور اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر، جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں، اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہیں ۔ اس سے نہ صرف ان کے صحیح معانی کی تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانۂ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے"۔ (۱)

یہ صرف پہلی مرتبہ نہیں ہے کہ اقبال نے ایک اسلامی ریاست کا مطالبہ پیش کیا ہو، بلکہ اس کا تصور برسوں سے ان کے دماغ میں موجود تھا اور اس کا ذکر انہوں نے اپنے ایک خط بنام مسٹر محمد علی جناح مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ع میں بھی کیا تھا جس میں مسلم لیگ کی سست رفتاری، بے عملی اور اس پر عوام کی کم اعتمادی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے مسٹر جناح کو اس طرف توجہ دلائی تھی :—

"خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ اور جدید خیالات کی روشنی میں اس کے مزید ارتقاء کا حل موجود ہے ۔ اسلامی قانون کے طویل اور غائر مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام قانون کو اچھی طرح سمجھ کر اس کا اطلاق کیا جائے تو کم از کم ہر شخص کے زندہ رہنے کا حق تو محفوظ ہو جائے گا

(۱) مضامین اقبال، ص ۱۲۱؛ تقاریر و بیانات (انگریزی)، ص ۱۰

مگر اسلامی شریعت کا نفاذ اور اس کا ارتقاء ایک آزاد مسلمان ریاست یا ریاستوں کے بغیر اس ملک میں ممکن نہیں ہے ۔

"میں برسوں سے دیانت داری کے ساتھ اس بات پر یقین رکھتا ہوں اور اب بھی مانتا ہوں کہ مسلمانوں کی معاش اور ایک پر امن ہندوستان حاصل کرنے کے مسائل کو حل کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے"۔(۱)

اپنے ایک اور خط مورخہ ۲۱ جون ۱۹۳۷ع میں ہندو لیڈروں کی مہاسبھائی ذہنیت اور فرقہ وارانہ نزاعات کے سلسلے میں مسٹر جناح کو لکھتے ہیں :—

"ان حالات میں یہ بالکل واضح ہے کہ ایک پر امن ہندوستان کے لئے صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ نسلی، مذہبی اور لسانی وحدتوں کی بناء پر اس ملک کی تقسیم کی جائے"۔

آگے چل کر لکھتے ہیں :—

"مجھے یاد ہے کہ لارڈ لوتھین نے انگلستان سے میری روانگی سے قبل مجھ سے کہا تھا یہ تجویز ہندوستان کی مشکلات کا ایک ہی ممکن حل ہے۔ مگر انہوں نے کہا کہ اس کو ۲۵ سال کا عرصہ لگ جائے گا"۔(۲)

کاش اقبال زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ صرف ۳ سال کے بعد ۱۹۴۰ع میں ان کا یہ مطالبہ ایک مکمل مطالبۂ پاکستان کی صورت میں مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس لاہور میں ایک قرار داد کی شکل میں منظور ہوا اور کل دس سال کے اندر ہی اندر پاکستان کے نام سے ایک آزاد اسلامی ریاست

---

(۱) خطوط اقبال بنام جناح، ص ۱۶ (انگریزی)
(۲) خطوط اقبال بنام جناح، ص ۲۱

کا قیام عمل میں آیا۔ اس طرح ہمارے فلسفی شاعر اور دانائے راز کی یہ شاعرانہ پیش گوئی پوری ہو کر رہی :۔

ٹوٹنے کو ہے طلسم ماہ سیمایان ہند
پھر سلیمیٰ کو نظر دیتی ہے پیغام خروش
نغمہ پیرا ہو کہ یہ ہنگام خاموشی نہیں
ہے سحر کا آسماں خورشید سے مینا بدوش

اقبال اور پاکستان کے موضوع پر ایک مختصر کتابچہ "مسلم،، کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ " البیرونی ،، کی کتاب (۱) Makers of Pakistan میں اقبال کے نظریہٗ پاکستان کا ذکر پایا جاتا ہے۔

'اقبال کا سیاسی کارنامہ ، کے عنوان سے محمد احمد خان صاحب ایم۔ اے ایل ایل۔ بی نے نہایت قابلیت سے لکھی ہے اور ۱۹۵۲ع میں کراچی میں شائع ہوئی ہے۔ ۵۳۳ صفحات کی اس جامع کتاب میں اقبال کے سیاسی نظریوں ، ان کے سیاسی کارناموں اور سیاسی خدمات کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کا ایک مقالہ " اقبال اور سیاسیات ،، رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے دو نمبروں (مارچ اپریل ۱۹۴۶ع) میں شائع ہوا ہے جو اس موضوع پر دلچسپ اور پر از معلومات ہے۔

محمد عزیز احمد صاحب پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایک مختصر کتاب ۵۷ صفحات کی Iqbal and the Recent Exposition of Islamic Political Thought کے نام سے سنہ ۱۹۵۰ع میں محمد اشرف نے لاہور سے شائع کی ہے۔

(۱) صفحات ۱۹۰ مطبوعہ محمد اشرف لاہور ۱۹۵۰ع

ان کا ایک مقالہ انگریزی مجموعہ مقالات Iqbal as a Thinker میں بعنوان " اقبال کا فلسفہ سیاست "، شائع ہو چکا ہے جس میں اقبال کے سیاسی نظریات کی وضاحت کی گئی ہے ۔ میاں بشیر احمد صاحب نے اقبال کے نظریہ سیاسیات پر ایک مضمون لکھا ہے جو اسلامک کلچر حیدرآباد اکتوبر ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا ہے ۔

اسی سلسلہ کا ایک مضمون "اسلام اینڈ خلافت"، خود اقبال کے قلم سے سوشیالوجیکل ریویو لندن ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا تھا جس میں نظریہ خلافت اسلامی کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے ۔ چودھری محمد حسین صاحب نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جو " فکر اقبال "، میں شائع ہو چکا ہے ۔

اقبال کی تاریخی اور سیاسی پیشگوئیوں پر ڈاکٹر ہاشمی کی ایک کتاب " اقبال کی پیشگوئیاں "، سنہ ۱۹۵۱ء میں چھپی ہے (صفحات ۱۸۸، ناشر کتاب منزل لاہور) ۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے ۔ بے ترتیبی، غیر متعلق مباحث اور اشعار کے بے محل استعمال کے باوجود، یہ ایک علمی کشکول ہے جس میں مؤلف نے اپنی تمام معلومات جمع کر دینے کی کوشش کی ہے ۔

باب پنجم

ناقدین اقبال

ایک شاعر، فلسفی یا نقاد فن جو دوسروں کے کارناموں پر تنقید کرتا ہے کبھی کبھی خود بھی اعتراض اور تنقید کا نشانہ بنتا ہے ۔ علم و ادب، یا مذہب و فلسفہ میں اختلاف رائے اکثر ضروری ہوتا ہے ۔ کسی کی رائے سے دیانت داری کے ساتھ اختلاف کیا جا سکتا ہے اور صحت مند تنقید کسی کام کے حسن و خوبی کو اجاگر کر دیتی ہے ۔ لیکن کسی شخص کے خیالات و معتقدات کو کماحقہ سمجھے بغیر کوئی رائے قائم کر لینا یا خواہ مخواہ علمی قابلیت جتانے کے خیال سے یا ذاتی عناد کی بناء پر کسی کو مورد طعن بنانا یقیناً سخت معیوب بلکہ تہذیب و انسانیت سے بعید ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ معتقدین اقبال کے ہاں افراط و تفریط کی مثالیں بھی پائی جاتی ہیں، لیکن ”تحسین ناشناس“ کے ساتھ ”سکوت سخن شناس“ بھی شعر کی قدر و منزلت کو برباد کر دیتا ہے ۔ اقبال کے بارے میں بھی بعض نادان دوستوں کی غلط ترجمانی نے مخالفین اور ناقدین کو حرف رکھنے کا موقع دے دیا ہے۔ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اقبال کی رائے سے اختلاف کرے اور ان کی آرا و افکار کو تنقید کی کسوٹی پر کسے ۔ خود اقبال نے بھی اس کو صحیح اور ضروری بتایا ہے ۔ چنانچہ اپنے خطبات کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :—

> ”یاد رکھنا چاہئے کہ فلسفیانہ تفکر میں کوئی چیز آخری طے شدہ نہیں ہوتی ۔ جیسے جیسے علم ترقی کرتا رہے گا اور فکر و خیال کے نئے راستے کھلتے جائیں گے ان لکچروں کے مقابلہ میں غالباً مزید صحیح آرا کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم فکر

انسانی کے ارتقاء کو بنظر احتیاط دیکھتے رہیں اور ان کی جانب اپنی آزادانہ تنقیدی روش کو جاری رکھیں،، ۔(۱)

اقبال پر ان کے ناقدین کے اعتراضات چار حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں :—

(ا) ادبی اور فنی اعتراضات جو عموماً ان کی شاعری کے سلسلہ میں کئے گئے ہیں ۔

(ب) ان کےفلسفہ اور تصوف پر تنقیدیں اور اعتراضات خصوصاً معرکہ' اسرار خودی میں ۔

(ج) سیاسی اور وطنی خیالات پر اعتراضات ۔

(د) مذہبی اور قومی تعصب کی بناٗ پر نکتہ چینی ۔

یہاں ہمارا مقصد ناقدین کے ان تمام اعتراضات اور نکتہ چینیوں کو بیان کرنا نہیں ہے، نہ ان کا جواب دینا مقصود ہے ۔ اس لئے ہم صرف ان کی طرف اشارہ کریں گے، ناقدین کے اعتراضات کی نوعیت بتائیں گے اور ان کی تحریرات کا حوالہ دیں گے تاکہ اقبال پر جو تنقیدیں ہوئی ہیں ان کے وزن اور قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکے ۔

(ا) کلام اقبال کی زبان اور محاورات پر جن لوگوں نے نکتہ چینیاں کی ہیں ان میں قدیم ترین تنقید وہ ہے جو ''تنقید ہم درد،، کے نام سے کسی گم نام شخص نے اقبال اور خوشی محمد خاں ناظر کے اشعار پر کی تھی ۔ اقبال نے اس کے جواب میں ایک مضمون بعنوان ''اردو زبان پنجاب میں،، رسالہ مخزن اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ع میں لکھا تھا جو ان کے مضامین کے مجموعہ

---

(۱) اسلامی الہیات کی جدید تشکیل ۔ دیباچہ

میں شائع ہو چکا ہے(۱) ۔ اس میں وہ زبان کے غلط اور صحیح ہونے کے معیار پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں : —

''جو زبان ابھی بن رہی ہو اور جس کے محاورات و الفاظ جدید ضروریات کو پورا کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً اختراع کئے جا رہے ہوں اس کے محاورات وغیرہ کا صحت و عدم صحت کا معیار قائم کرنا میری رائے میں محالات سے ہے۔ ابھی کل کی بات ہے اردو زبان جامع مسجد دھلی کی سیڑھیوں تک محدود تھی مگر چونکہ بعض خصوصیات کی وجہ سے اس میں بڑھنے کا مادہ تھا اس واسطے اس بولی نے ہندوستان کے دیگر صوبوں کو بھی تسخیر کرنا شروع کیا اور کیا تعجب ہے کہ کبھی تمام ملک ہندوستان اس کے زیر نگیں ہو جائے۔ ایسی صورت میں ممکن نہیں کہ جہاں جہاں اس کا رواج ہو وہاں کے لوگوں کا طریق معاشرت ، ان کے تمدنی حالات اور ان کا طرز بیان اس پر اثر کئے بغیر رہے ۔ علم‌السنہ کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے جس کی صداقت اور صحت تمام زبانوں کی تاریخ سے واضح ہوتی ہے اور یہ بات کسی لکھنوی یا دھلوی کے امکان میں نہیں ہے کہ اس اصول کے عمل کو روک سکے ۔ تعجب ہے کہ میز، کمرہ ، کچہری نیلام وغیرہ اور فارسی اور انگریزی محاورات کے لفظی ترجمے بلا تکلف استعمال کرو، لیکن اگر کوئی شخص اپنی اردو تحریر میں کسی پنجابی محاورے کا لفظی ترجمہ یا کوئی ہر معنی پنجابی لفظ استعمال کرے تو اسے کفر و شرک کا مرتکب سمجھو۔ اور باتوں کا اختلاف ہو تو ہو مگر یہ مذہب منصور ہے کہ اردو کی چھوٹی بہن یعنی پنجابی کا کوئی لفظ اردو میں گھسنے نہ پائے ۔ یہ قید ایک ایسی قید ہے

(۱) مضامین اقبال مرتبہ تصدق حسین تاج، ص ۸ تا ۲۴

جو علم زبان کے اصولوں کی صریح مخالف ہے اور جس کا قائم و محفوظ رکھنا کسی فرد بشر کے امکان میں نہیں ہے ۔ اگر یہ کہو کہ پنجابی کوئی علمی زبان نہیں ہے جس سے اردو الفاظ و محاورات اخذ کرے تو آپ کا عذر بیجا ہوگا ۔ اردو ابھی کہاں کی علمی زبان بن چکی ہے جس سے انگریزی نے کئی ایک الفاظ بد معاش، بازار، لوٹ، چالان وغیرہ کے لئے ہیں اور ابھی روز بروز لے رہی ہے،، ۔ (۱)

اس کے بعد انہوں نے معترض کے آٹھوں اعتراضات کے جوابات دئے ہیں اور ان کی بخوبی تردید کی ہے ۔ دھلی لکھنؤ کی زبان کے متعلق اقبال فرماتے ہیں:—

ہم کو تو لکھنؤ سے نہ دھلی سے ہے غرض
اقبال ہم اسیر ہیں زلف کمال کے

پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد اس شعر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (۲)

"کتنے پیمبرانہ الفاظ تھے جو ایک فیضانی کیفیت میں اقبال کی زبان سے نکلے، اس وقت کے سننے والوں نے اسے محض شاعرانہ بڑ اور تعلی سمجھا ہوگا ۔ لیکن ہونے والے اقبال نے جس کی شہرت ہندوستان سے باہر دور دور پہنچنے والی تھی بعد کو یہ ثابت کر دکھایا کہ زبان دانی کا طلسم یوں توڑا جاتا ہے۔ خادم زبان اور ادیب ہونے کے لئے جوہر قابل کی ضرورت ہے، دھلی جامعہ مسجد کی سیڑھیاں الانگنا ضروری نہیں،، ۔

کلام اقبال پر ادبی و فنی قسم کے اعتراضات اور تنقیدات کے سلسلہ میں آل احمد صاحب سرور نے ایک مضمون "اقبال اور اس کے نکتہ چیں،، کے

---

(۱) مضامین اقبال، ص ۱۰
(۲) اقبال کی ذہنیت کا ارتقا، رسالہ اردو کا اقبال نمبر، ۲۲۷-۲۲۸

عنوان سے تحریر کیا ھے (۱) جس میں انہوں نے اقبال کے اشعار و افکار پر نکتہ چینیوں کو بیان کیا ھے اور ان اعتراضات کی نوعیت دکھاتے ھوئے ان کی مناسب اور معقول تردید کی ھے۔ ان اعتراضات کی اھمیت کے متعلق سرور صاحب لکھتے ھیں :—

''بہر حال ان اعتراضات میں سے کوئی اتنا وقیع نہیں ھے جس کے جواب کی کوشش کی جائے ۔ مقصد صرف یہ دکھلانا ھے کہ اب بھی ایسے اشخاص موجود ھیں جو علانیہ نہیں تو چھپے دبے اقبال کی زبان پر اعتراض کرتے ھیں : وہ ترکیب غلط ھے، اس محاورہ کو صحت کے ساتھ نظم نہیں کیا گیا، موٴنث نہیں مذکر ھے، یہاں تعقید معنوی پائی جاتی ھے، یہاں شعر معما ھو گیا ۔ آخر ان سب باتوں کی کیا وجہ ھے،، ۔

بعض شاعروں اور ادیبوں مثل سیماب اکبرآبادی، پروفیسر احمد علی، ڈاکٹر اختر حسین اور بعض نام نہاد ترقی پسندوں کی تنقیدوں کا بھی جائزہ لیا ھے۔ آخر میں انہوں نے Wilfred Cantwell Smith کی تنقید کا بھی ذکر کیا ھے جو اس نے اپنی کتاب Modern Islam in India میں اقبال کی شاعری، ان کے فلسفیانہ خیالات اور اسلامی افکار پر کی ھے ۔ سرور صاحب نے اس مسیحی مبلغ کے بعض اعتراضات کی تائید کرتے ھوئے اقبال کی بعض خامیوں پر بھی نظر ڈالی ھے ۔

مولوی عبدالسلام صاحب ندوی نے اپنی کتاب (۲) میں ''اغلاط،، کا ایک علیحدہ باب باندھا ھے جس کے تحت انہوں نے اقبال کے اشعار میں زبان و

---

(۱) نئے چراغ اور اردو، اقبال نمبر، ص ۳۴۴ تا ۳۷۶

(۲) اقبال کامل، ص ۲۴۸ تا ۲۵۳

محاورات کی بعض غلطیاں دکھائی ہیں۔ جب رموز بے خودی شائع ہوئی تھی تو اس وقت مولوی سید سلیمان صاحب نے فارسی کے بعض الفاظ، محاورات اور ترکیبوں کی غلطیاں اقبال کو لکھ بھیجی تھیں۔ ان میں سے اقبال نے اکثر کی صحت کے لئے فارسی شعراء کا کلام بطور اسناد پیش کیا تھا۔ چنانچہ مکاتیب اقبال میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ مرآۃ الشعراء کے مؤلف نے بھی اقبال کے الفاظ پر بعض لفظی گرفتیں کی ہیں اور بعض جگہ اصلاح بھی فرمائی ہے۔ (۱)

(ب) اقبال کے فلسفیانہ نظریات و افکار پر لندن کے اخبارات ایتھینیم اور ٹائمز (لٹریری سپلیمنٹ) میں تبصرہ کرتے ہوئے اسرار خودی کے سلسلہ میں بعض انگریز اہل علم نے اعتراضات کئے تھے جن کا جواب اقبال نے اپنے ایک خط میں دے دیا تھا جو لندن کے اخبار Quest میں شائع ہوا تھا۔

اسرار خودی کے سلسلہ میں جو اعتراضات ہوئے ہیں اور تنقیدیں کی گئی ہیں ان کو اقبال اور تصوف کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر ایچ۔ اے۔ آر۔ گب نے اپنی کتاب ''اسلام میں جدید رجحانات،، میں اقبال کے فلسفہ اور ان کے اسلامی خیالات پر نکتہ چینیاں کی ہیں۔ انہوں نے خیالات اقبال سے بعض مفید مطلب عبارتیں نقل کرکے ان پر تنقید کی ہے اور ان کے فلسفیانہ افکار کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کی ہے۔

اس طرح پروفیسر گب نے اسمتھ کے اعتراضات کی تائید کرتے ہوئے اپنے مسیحی جذبہ' تبلیغ کو آشکارا کیا ہے۔ وللناس فیما یعشقون مذاهب۔

اقبال کے فلسفہ پر تنقید کرنے والوں میں غلام سرور، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اور پروفیسر محمد شریف ہیں جنہوں نے اپنے مضامین میں ان کے بعض فلسفیانہ نظریات پر تنقید کی ہے اور ان کی بعض آرا سے اختلاف کیا ہے۔

---

(۱) جلد ۲، ص ۱۸۰ تا ۱۸۴

(ج) اقبال کے سیاسی اور وطنی نظریوں سے بعض لوگوں کو اختلاف رہا ہے، جن میں زیادہ تر غیر مسلم اہل قلم ہیں ۔ اقبال سنگھ صاحب نے اپنی کتاب (زائر ہر شوق) کے آٹھویں باب میں (۱) اقبال کے سیاسی خیالات کا تناقض دکھایا ہے اور انہیں اسی بات پر اصرار ہے کہ اقبال نے کبھی پاکستان کا مطالبہ نہیں کیا تھا، اگرچہ ان کا اصل اور اندرونی مقصد اسی قسم کی اسلامی ریاست کا قیام تھا، اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ تصور پاکستان اقبال کے سیاسی فلسفہ کی بنیاد کے بالکل منافی ہے۔

عبدالمالک صاحب آروی نے تو اپنی کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اقبال اور سیاسیات کے عنوان سے ایک خاص باب باندھا ہے جس میں انہوں نے سیاسیات میں اقبال کے فکر و عمل کا تضاد دکھانے کی کوشش کی ہے (۲) ۔

محمد احمد خاں صاحب نے ''اقبال کے سیاسی کارنامہ،، میں اقبال کے سیاسی ناقدین اور ان کے اعتراضات کا ذکر تفصیل سے کیا ہے اور ان کے جوابات دئے ہیں۔

(د) اقبال کے اسلامی افکار خصوصاً نظریۂ وطنیت کی بناء پر بعض غیر مسلموں نے ان پر تنقید کی ہے اور فرقہ پرستی کا الزام عائد کرتے ہوئے ان کی شاعری اور فلسفہ کی عالمگیر اہمیت سے انکار کیا ہے ۔ اس سلسلہ میں بہار کے ایک مشہور ہندو لیڈر اور اہل قلم ڈاکٹر سچدا نند سنہا آنجہانی نے اقبال کی شاعری اور پیغام پر پانچ سو صفحوں کی ایک ضخیم کتاب Iqbal, His Poetry and Message لکھی ہے (۳) جو اٹھائیس ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب کے نام سے دھوکا ہوتا ہے کہ غالباً مؤلف نے اقبال کی شاعری اور

---

(۱) ص ۱۴۳-۱۶۲

(۲) اقبال کی شاعری، ص ۶۲

(۳) مطبوعہ رام نرائن لال الہ آباد سنہ ۱۹۴۷ء ۔

پیغام پر کیا کچھ لکھا ہوگا۔ مگر اس کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مؤلف کا مقصد بفحوائے ''کجا می نمائد کجا می زند،، کچھ اور ہی ہے۔ سنہا صاحب نے اپنا تمام زور قلم اس بات کے ثابت کرنے پر صرف کیا ہے کہ اقبال نہ تو فلسفی تھے نہ شاعر نہ سیاست داں ، بلکہ ایک متعصب مسلمان قوم پرست جنہیں صرف اپنی قوم اور اپنے ہم مذہبوں سے ہمدردی تھی۔ وہ اپنے اسلاف کی عظمت کا راگ الاپتے رہے اور دنیا پر مسلمانوں کے تسلط اور اقتدار کا خواب دیکھتے رہے۔ عبدالمالک صاحب آروی جنہوں نے ڈاکٹر سنہا کی کتاب کے چار باب ترجمہ کر کے اپنی کتاب میں شامل کئے ہیں اور ان پر ''استدارک،، کے تحت بعض اعتراضات اور تنقیدات کا جواب بھی لکھا ہے، اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں :۔

''ڈاکٹر سنہا نے اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اقبال فرقہ پرست تھے، شاعرانہ عظمت کے لحاظ سے ان کو کالی داس، دانتے اور ملٹن کی صف میں جگہ نہیں دی جا سکتی۔ زبان ، خیال اور عقائد کے لحاظ سے ان کو ہندوستان سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ انہوں نے غیر ملکی زبان (فارسی) میں اپنا بیشتر کلام چھوڑا ،،(۱) ۔

اس کتاب کی تصنیف میں ڈاکٹر سنہا نے نو سال صرف کئے اور اقبال کے خیالات و افکار کی تردید و تکذیب میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ اقبال پر پورے ملک میں جو صدائے تحسین و آفرین بلند کی گئی اور ان کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ، وہ ان کے نزدیک تحسین ناشناس ، ستائش بیجا اور انتہائی مبالغہ ہے۔ علمی پیرائے میں دنیا بھر کے مشہور فلسفیوں ، شاعروں اور نقادان فن کے خیالات و آرا کے مفید مطلب نظم و نثر کے ٹکڑے اپنی رائے اور خیال کی

---

(۱) اقبال کی شاعری، ص ۱۰۶ تیسرا اڈیشن ۔

تائید میں جمع کئے ھیں اور ان کو اقبال کی تنقید، تردید اور تنقیص کے لئے استعمال کیا ھے۔ اپنی کتاب پر ھندوستان کے دو فاضل ھندؤں اور دو اھل علم مسلمانوں سے پیش لفظ اور تقریظیں بھی لکھوائی ھیں، جن میں سر تیج بہادر سپرو، ڈاکٹر امر ناتھ جھا، نواب سمیع اللہ یار جنگ اور نواب سر احمد حسین خاں نے اپنی تحریروں میں مؤلف کی نو سالہ محنت کو سراھا ھے اور ان کے بیانات اور تنقیدات پر صاد کیا ھے۔ پھر بھی ان میں سے دو صاحبوں، سر سپرو اور نواب یار جنگ نے اقبال سے متعلق بعض ایسی باتیں لکھی ھیں جن سے خود مؤلف کے خیالات کی تردید ھوتی ھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود آروی صاحب کی خوش فہمی قابل داد ھے کہ وہ سنہا صاحب کی تنقید کو ”بے لاگ“ خیال کرتے ھیں۔ اگرچہ خود ان کی تحریر ان کے اس خیال سے ھم آھنگ نہیں معلوم ھوتی۔ وہ لکھتے ھیں :-

”ریسرچ کا کام ختم کرنے کے بعد انہوں نے مواد کی ترتیب نہیں دی ھے، بلکہ نو سال کے اندر وہ ارتقاء کی مختلف منزلوں سے گزرے ھیں۔ اس میں شک نہیں کہ اقبال کے متعلق ایک بے لاگ تنقید لکھنے کے لئے ان کا خیال شروع ھی سے تھا۔ لیکن پہلے اس خیال میں وہ وسعت نہ تھی جو اقبال کے ماننے والوں کی نگاہ میں ”تنگی دل“ سے بھی زیادہ محدود ھوکر رہ گئی ھے۔ جیسے جیسے ان کی تحقیق میں وسعت ھوتی گئی ان کا نظریہ بھی بدلتا گیا اور اسی وجہ سے کتاب میں تضاد خیال بھی پایا جاتا ھے۔ یہ تضاد خیال زیادہ تر دوسرے، تیسرے، چھٹے، ساتویں، چودھویں اور سترھویں ابواب کے درمیان ھے“۔(۱)

---

(۱) اقبال کی شاعری، ص ۲۰۷

اس ”تنگی دل“ اور ”تضاد خیال“ کے باوجود آروی صاحب اپنے ہم وطن فاضل اہل قلم کے ”حقیقی رجحان، مخلصانہ اخلاق اور بلند شخصیت“ کے قائل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ڈاکٹر سنہا نے اقبال کی دو اہم کتابوں پیام مشرق اور جاوید نامہ کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ ”چھٹے باب میں اقبال کے فلسفیانہ پس منظر سے بحث کرتے ہوئے پروفیسر شریف کی غیر ماہرانہ تنقید نقل کرنے اور اس میں اقبال کے فلسفہ کو نطشے سے مستفاد بتانے میں ان سے لغزش نہ ہوتی“۔(۱)

ڈاکٹر سنہا نے فلسفۂ اقبال کے بعض ناقدین، غلام سرور اور پروفیسر شریف، کی رائیں اپنی تائید میں نقل کی ہیں اور اقبال کے ایک دوست عبداللہ یوسف علی مرحوم کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:-

“ Iqbal was an isolated figure ”

”یعنی اقبال ایک غیر معروف یا مجہول آدمی تھے“۔

اقبال دشمنی کی انتہا یہ ہے کہ مؤلف نے اپنی کتاب کے آخری ضمیمہ میں میاں عظیم حسین کی کتاب (۲) کا وہ حصہ نقل کیا ہے جو اقبال کے بعض ذاتی حالات و واقعات سے متعلق ہے اور جس میں اقبال پر ناشکری اور احسان فراموشی کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ خود عبدالمالک صاحب نے اس ضمیمہ کا ترجمہ کر دیا ہے جس کے آخر میں ”استدراک“ کے تحت وہ لکھتے ہیں:-

”ڈاکٹر سنہا نے بہت اچھا کیا کہ سر فضل حسین کے سوانح زندگی سے اقبال کے بعض نجی حالات کا اقتباس دے دیا۔

---

(۱) اقبال کی شاعری، ص ۲۰۹

(۲) Sir Fazl-i-Husain, A Political Biography, Longmans Green and Co., 1944.

سنہا صاحب نے اقبال کی کمزوری اور سیاسی نا اہلیت کے ثبوت میں یہ مواد فراہم کیا ہے، حالانکہ یہ واقعات اقبال کی اخلاقی زندگی کا معیار بہت بلند کر دیتے ہیں = واقعات بالا کے ہر ہر لفظ سے اقبال کی معراج انسانیت اونچی ہو جاتی ہے،، ۔(۱)

اقبال کے ناقدین کی جماعت میں اتفاق سے پنڈت جواہر لال نہرو بھی شریک ہوگئے جب کہ انہوں نے کلکتہ کے انگریزی ماہنامہ ''ماڈرن ریویو،، میں اقبال کے اس بیان (۲) کے جواب میں، جو انہوں نے ''قادیانیت،، سے متعلق شائع کیا تھا، تین مضمون لکھے تھے اور اقبال نے اس کے جواب میں (۳) مسئلہ ختم نبوت (۴) پر انگریزی میں ایک مفصل مضمون لکھا تھا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں :—

''میں نے قادیانیت کے متعلق جو بیان دیا تھا جس میں ایک مذہبی نظریہ کی محض جدید اصولوں کے مطابق تشریح کی گئی تھی اس سے پنڈت جی اور قادیانی دونوں پریشان ہیں ۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف وجوہ کی بناء پر دونوں اپنے دل میں مسلمانان ہند کے سیاسی استحکام کو پسند نہیں کرتے،، ۔(۵)

اقبال کے ناقدین میں ڈاکٹر ایچ ۔ ٹی سورلے بھی ہیں جو مرکزی حکومت پاکستان کے بورڈ آف ریونیو کے صدر تھے، اور سندھ کے مشہور صوفی شاعر

---

(۱) اقبال کی شاعری، ص ۳۱۷
(۲) تقریرات و بیانات (انگریزی) ص ۹۳-۱۰۰
(۳) تقریرات و بیانات (انگریزی) ص ۱۱۱-۱۴۴
(۴) یہ مضون انگریزی میں لکھا گیا تھا جس کا ترجمہ میر حسن الدین صاحب نے اردو میں ختم نبوت کے نام سے کیا ہے جو مضامین اقبال (ص ۱۴۵-۱۷۹) میں شامل ہے۔
(۵) مضامین اقبال، ص ۱۴۹

شاہ عبدالطیف کے حالات اور شاعری پر ایک ضخیم کتاب کے مصنف ہیں۔ صاحب موصوف اگرچہ اقبال اور ان کی شاعری کے ساتھ اردو فارسی زبانوں کو سمجھنے کے بھی مدعی ہیں، لیکن انہوں نے اپنی ایک تازہ تالیف(۱) میں اقبال پر جو ساڑھے چار صفحے لکھے ہیں اور بانگ درا کی ایک درجن نظموں کا انگریزی میں منظوم ترجمہ کیا ہے، اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے ان کی واقفیت برائے نام ہی ہے۔ وہ ایک مدت تک پاکستان میں رہ چکے ہیں اور اسلامی ادبیات سے ان کو دلچسپی بھی رہی ہے، اس کے باوجود تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے اقبال کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جس کی ایک عامی سے بھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ انہوں نے ہر ملک کی بزمیہ شاعری کے کلاسیکل نمونے انتخاب کرکے اصل متنوں کے ساتھ ان کے انگریزی ترجمے شائع کئے ہیں، ان کے آخر میں انہوں نے اقبال کا کچھ منتخب کلام بھی درج کیا ہے۔ لیکن نظموں کے ترجمے کئی جگہ غلط سلط اور اصل مفہوم سے دور جا پڑے ہیں۔ اس کے ثبوت میں صرف ایک مثال کافی ہوگی کہ انہوں نے اقبال کے اس مصرعہ میں ''ستارے آسماں پر بے خبر تھے لذت رم سے،، ''لذت رم،، کا ترجمہ taste of rum کیا ہے اور اس سے رم نام کی شراب مراد لی ہے۔ اقبال پر ان کی غیر عالمانہ اور لاابالیانہ تنقید کے کچھ حصے پیش کئے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ وہ غالباً اقبال سے پہلے ہی سے بدظن ہو چکے تھے اور اپنی نفسی کیفیات کے اظہار کے لئے موقع کی تلاش میں تھے جو انہوں نے خود ہی پیدا کر لیا ہے۔ فرماتے ہیں :—

''اقبال کے شاعر نو دولت پاکستان ہونے کا اعلان کیا گیا ہے جو اقبال کی شہرت بحیثیت شاعر کے لئے زیبا نہیں ہے۔ اب ادبی تحسین کے ان

---

(1) Musa Pervagans, by H. T. Sorley, Aberdeen University Press, 1953.

معیاروں کی بجائے، جن کا اطلاق ایک شاعر پر ہونا چاھئے، انہیں قومی مشاھیر پرستی کے معیاروں سے جانچا جا رہا ھے ۔ اگر اقبال آج زندہ ہوتے تو ایک روحانی معمار کی حیثیت سے انہیں اپنی مبالغہ آمیز مدح سرائی سے بڑھ کر کسی اور بات پر تعجب نہ ہوتا،، ۔

صاحب موصوف کا خیال ھے کہ اقبال سے ڈیڑھ سو برس پہلے مسلمانوں میں قوم پرستی Natiọnalism کے جذبات پیدا ہوگئے تھے اور اس لحاظ سے اقبال پرستی سے دلچسپی محض موقت اور نفسیاتی ھے ۔ لہذا زمانہ کے ان ناگزیر اور نہ معاف کرنے والے واقعات سے اقبال کا کوئی تعلق نہیں ھے۔ ،،

،، اقبال اپنی حدود میں یقیناً ایک پختہ شاعر ھیں، لیکن خیالات اور قوت بیان کی تنگی کے ساتھ وہ ایک معمولی شاعر سے زیادہ نہیں ھیں ۔ ،،

،،جواھر نگار فقروں کے رنگین پیوند خواہ کتنی ھی صناعی سے لگائے جائیں، وہ دل خوش کن ضرور ھوں گے، مگر جذبات انگیز نہیں ۔ اور ممکن ھے کہ آگے چل کر وکٹر ھیوگو کی شاعرانہ کمزوریوں کی طرح اقبال کا یہ نقص اس درخشاں روشنی کو ماند کر دے جو ان کے ماتھے پر چمک رہی ھے۔،،

،،اقبال کی زندگی میں کوئی اھم واقعات نہیں ھیں، انہوں نے ۶۵ برس تک ایک جامد اور پناہ گزیں زندگی بسر کی ھے ۔ وہ ایک طالب علم، پیشہ ور وکیل، اور ایک وقتی ادیب تھے جس نے ایسے واقعات میں بہت ھی کم حصہ لیا جو انسانوں کے تخیل کو متحرک کرتے یا ان کے جذبات کو ابھارتے ھیں ۔،،

،،ان کے عالمانہ تفکر آور فلسفہ کی نیم دنیا میں سب سے بڑی چیز اکارت ھو گئی ۔ وہ ایسے انسان تھے جو اپنے دارالمطالعہ میں بیٹھ کر الفاظ کو جلا دیتے رھتے تھے ۔ انہوں نے واقعات کو زندہ نہیں رکھا ۔ ،،

''ایسے اشخاص کہ فارسی میں شعر کہنا جو خود ایرانی نہیں ہیں، سوائے تکلف اور زور طبع کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''اقبال ایک بہترین شاعر ہوتے اگر ان میں کوہ ایورسٹ پر چڑھ جانے کا جذبہ ہوتا۔''

یہ غیر ذمہ دارانہ بیانات کسی تصریح و تنقید کے محتاج نہیں ہیں۔

باب ششم

اقبالیات کا ماضی اور مستقبل

اقبالیات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کی وفات سے چند سال پہلے اور وفات کے بعد ان کی سیرۃ، شاعری، فلسفہ اور ان کے علمی و ادبی کمالات پر مضامین اور کتابیں لکھنے کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے، ان کی مثنویوں کی اشاعت سے پہلے ان کی طرف اس قدر سنجیدگی سے توجہ نہیں کی گئی، خصوصاً نکلسن کے انگریزی ترجمہ ''اسرار خودی،، کے بعد لوگوں کو ان کے حالات و خیالات کی جستجو ہوئی۔ جیسا کہ ہماری قوم کا دستور ہے کہ جب تک باہر والے کسی کی قدر و منزلت نہ کریں اس وقت تک ہم اپنے یہاں کے کسی جوہر قابل کی قدر نہیں کرتے۔ جب ایک انگریز مستشرق نے اقبال کو یورپ سے رو سناش کرایا تو ان کے ہم وطنوں کی بھی آنکھیں کھلیں اور ان کی طرف کچھ کشش ہوئی۔ پھر تو مداحان اقبال کا تانتا بندھ گیا۔ خصوصاً قیام پاکستان کے بعد اقبال کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ یوم اقبال دھوم دھام سے منایا جانے لگا اور ان پر مضامین اور کتابیں لکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اقبال کی وفات کو آج ۱۷ سال ہوئے ہیں، مگر اب تک ان پر جو کام ہونا چاہئے وہ نہیں ہوا۔ ان کی ذہنی کاوشوں اور دماغی پیداواروں پر بکثرت کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن ان میں مشکل سے کوئی نصف درجن کے قریب جامع اور ٹھوس کتابیں ملتی ہیں۔

بر صغیر ہند و پاکستان میں اقبال پر اردو اور انگریزی میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے تقریباً اکثر کا ذکر گزشتہ ابواب میں مختلف

عنوانات کے تحت آ چکا ھے یہاں ان مضامین اور کتابوں کا ذکر کرنا ضروری ھے جو ممالک اسلامیہ اور یورپ کی بعض زبانوں میں لکھی گئی ھیں ۔ اقبال کی تصانیف کے عربی زبان میں جو ترجمے ھوئے ھیں، ان میں مصر و ایران سب میں پیش پیش ھیں ۔ عراق، شام اور ترکی میں بھی کئی مضامین لکھے گئے ھیں لیکن ان کی تفصیل ھمیں دستیاب نہیں ھو سکی ۔ یورپ میں سب سے زیادہ اطالوی زبان میں اقبال پر کام ھوا ھے ۔ انگریزی، جرمن، اور فرانسیسی زبانوں میں بعض تراجم اوپر مذکور ھو چکے ھیں ۔

مصر و ایران میں جو کام ھو چکا ھے اس کی تفصیل حسب ذیل ھے :—

۱۔ مصر ۔ اقبال کی وفات کے بعد ھی ابوالنصر احمد الحسینی (بھوپالی) نے اقبال پر مسلسل تین مقالے لکھے تھے جو مصر کے مشہور ماھنامہ المقتطف میں شائع ھوئے تھے ۔ اس کے بعد مصر کے مشہور فاضل ادیب اور مصنف عباس محمود عقاد نے تصوف اقبال پر ایک مقالہ لکھا تھا ۔ پاکستان میں مصر کے سفیر ڈاکٹر عبدالوھاب عزام بے نے اقبال کی کتابوں کے ترجمے کئے جن کا ذکر آ چکا ھے ۔ آخر میں انھوں نے ایک جامع کتاب اقبال کے حالات و تصانیف اور ان کی شاعری اور فلسفہ پر لکھی ھے جو ''محمد اقبال : سیرتہ و شعرہ و فلسفتہ،، کے نام سے سنہ ۱۹۵۴ع میں مطبوعات پاکستان کے سلسلہ میں شائع ھو چکی ھے ۔ جامعہ' مصریہ کے فلسفہ کے پروفیسر ڈاکٹر عثمان امین نے اقبال کے فلسفہ پر کئی مضامین لکھے ھیں جن میں فلسفتہ الذات عند محمد اقبال (اقبال کا فلسفہ' خودی) ۔ الجمال فی نظر محمد اقبال (جمالیات اقبال کی نظر میں) ۔ رسالہ' اقبال (اقبال کا پیغام) ۔ فلسفہ' اقبال (اقبال کا فلسفہ) قابل ذکر ھیں ۔ یہ مضامین عربی رسائل الوعی اور الثقافہ' وغیرہ میں شائع ھو چکے ھیں ۔

۲۔ ایران۔ اھل ایران نے اقبال کی طرف بہت دیر میں توجہ کی، یعنی

ان کی وفات کے بعد وہاں کے نامور عالموں، ادیبوں اور شاعروں نے اقبال کا فارسی کلام پڑھا اور اس سے کافی متاثر ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اقبال کی شاعری اور فلسفہ کو اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا اور ان کی شان میں مدحیہ قصائد لکھے۔ بعض اہل قلم نے ان پر مضامین لکھے جو بعد میں کتابی صورت میں شائع ہو گئے۔ اس طرح کے چند مجموعوں کے نام درج ذیل کئے جاتے ہیں :—

(۱) اقبال و شعر فارسی از آقای محمد علی داعی الاسلام۔ اقبال پر فارسی میں پہلا مقالہ از آقای محمد علی داعی‌الاسلام ۔ سنہ ۱۳۱۴ھ۔ حیدرآباد۔

(۲) اقبال لاہوری ۔ شاعر پارسی گوی پاکستانی از مجتبیٰ مینوی و حبیب یغمائی، مدیر مجلہ ادبی یغما تہران سنہ ۱۳۲۶۔

(۳) اقبال نامہ ۔ ۸۳ صفحات ۔ چند ایرانی اہل قلم کے مضامین کا مجموعہ (مطبوعۂ تہران سنہ ۱۳۳۰) جس میں ملک‌الشعرا آقائے بہار، سید حسن تقی زادہ ، ڈاکٹر لطف علی صورتگر، حسین علاء، ڈاکٹر محمد حسین ، پروفیسر سعید نفیسی کے مضامین اور صادق سرمد ، احمد گلچین وغیرہ سر برآوردہ شعرائے ایران کی نظمیں اور قصیدے ہیں۔

(۴) روئی عصر : شرح احوال و آثار علامہ اقبال ۔ تالیف خواجہ عبدالحمید عرفانی، ۲۹۶ صفحات ۔ ناشر : کانون معرفت سنہ ۱۳۳۲ ۔ مؤلف نے اقبال کے مفصل حالات لکھے ہیں اور ان کی تمام حیثیتوں پر نظر ڈالی ہے ۔ کئی ایرانی ادیبوں اور شاعروں کے مضامین اور تقریریں بھی اسی میں درج کی ہیں۔

۳۔ اٹلی۔ اقبال پر اطالوی زبان میں مندرجہ ذیل مضامین شائع ہوئے ہیں۔

1. **Maria Nallino**
   Recente Eco Indio-Persiana della " Divina Comedia " : Mohammad Iqbal. Orient Moderno, XII (1932), pp. 610-622.

2. **Arthur Jeffery**
   Il modernismo musulmano dell' Indiano "Sir" Mohammad Iqbal , XIV, pp. 505 - 513.

3. **G. Taffarel**
   Notizie biographie su Mohammad Iqbal XVIII (1938); pp. 322-23.

4. **Reyazul Hasan**
   Il Poeta musulmano Indiano Mohammad Iqbal (1873—1937), *ibid.*, XX (1940), pp. 605-623.

5. **Alessandro Bausani**
   Mohammad Iqbal's Message in East and West, I (1950), pp. 137-140.
   Dante and Iqbal, *ibid.*, II (1951), pp. 77-81.

یہ تمام مضامین روما کے مشہور علمی مجلہ "مشرق جدید" (Orient Moderno) میں شائع ہوئے ہیں۔

۴۔ جرمنی۔ جرمن زبان میں سب سے پہلے غالباً سنہ ۱۹۰۷ع میں اقبال کے فلسفۂ مابعدالطبیعیات کا ترجمہ ہوا تھا۔ پھر لپزگ یونیورسٹی کے پروفیسر فشر نے اپنے سہ ماہی مجلہ اسلامیکا میں اقبال کی تصانیف پر تبصرے لکھے۔

کہتے ھیں کہ جرمنی میں اقبال کے فلسفہ کے مطالعہ کے لئے ایک اقبال سوسائٹی بھی قائم ھوئی تھی ۔ حال ھی میں ایک جرمن مستشرق انیمری شیمل (Annemarie Schimmel) نے ''معراج شاعر،، کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ھے جو سہ ماھی مجلہ عالم اسلام (World of Islam) (جلد ۳ شمارہ ۳-۴ سنہ ۱۹۴۳ع) میں شائع ھوا ھے۔

پاکستانی زبانوں سندھی اور پشتو میں اقبال کی مثنویوں کے ترجموں کا ذکر آچکا ھے ۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ ترجمے بنگالی زبان میں ھوئے ھیں، اور بنگال کے ادیبوں اور شاعروں نے اقبال پر خاصا لٹریچر تیار کر دیا ھے۔ تفصیل حسب ذیل ھے :-

(۱) بانگ درا کی بعض نظموں ھمالہ، ھندوستانی بچوں کا گیت کے ترجمے از ڈاکٹر امیا چکرورتی (کلکتہ یونیورسٹی) ۔ صاحب موصوف نے انگریزی اور بنگلہ اخباروں اور رسالوں میں اقبال پر مضامین لکھے ھیں ۔

(۲) شکوہ کا ترجمہ از اشرف علی خاں مرحوم اڈیٹر سلطان ۔

(۳) بانگ درا کی نظموں نیا شوالا ، ھمالہ، ایک آرزو کے منظوم ترجمے از پروفیسر قاضی اکرم حسین ، جو ''پوتھیر بانشی،، (راستے کی بانسری) کے نام سے شائع ھوئے ھیں ۔

(۴) ''محمدی،، نامی بنگالی ماھنامہ کا اقبال نمبر ۔ بادارت مولانا اکرم خاں ۔

(۵) شکوہ اور جواب شکوہ کا منظوم ترجمہ از پروفیسر امین الدین (انٹر میڈیٹ کالج ڈھاکہ) ۔ انہوں نے ضرب کلیم ، بال جبریل اور

پیام مشرق کی متعدد نظموں کا ترجمہ کیا ہے ۔

(۶) بال جبریل، ضرب کلیم، شکوہ اور جواب شکوہ کے منظوم ترجمے از میزان‌الرحمن جن کا مجموعہ ''پوتھیر پیغام،، کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۔

(۷) فلسفۂ اقبال و تعلیمات اقبال از ڈاکٹر محمد شہید اللہ جن کا مجموعہ '' اقبال ،، کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۔

(۸) شکوہ، جواب شکوہ اور کئی نظموں کا منظوم ترجمہ از محمد سلطان، استاد کلکتہ مدرسہ ۔

(۹) اسرار خودی کا ترجمہ نثر میں از سید عبدالمنان (باریسال) ۔

(۱۰) اسرار خودی کا ترجمہ نظم میں از پروفیسر سید علی احسن ۔

(۱۱) رموز بیخودی کا ترجمہ از پروفیسر آدم الدین احمد (پروفیسر شانتی نیکیتان) ۔

(۱۲) ''کوی اقبال،، اقبال کی شاعری پر ایک کتاب از حبیب اللہ بہار ۔

(۱۳) ''جلوہ،، (اقبال کے سیاسی ارشادات) از منورالدین چودھری مرحوم ۔

(۱۴) '' مہا کوی اقبال ،، (اقبال شاعر اعظم) از ابو نعیم بذل‌الرشید ۔

کتابیات

اقبالیات کے سلسلہ میں جتنی کتابیں شائع ہوئی ہیں ان سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے بعض اصحاب نے '' کتابیات ،، Bibliography کی مختصر فہرستیں تیار کی ہیں جو نا تمام

اور نا مکمل ھیں ۔ اس وقت تک اقبالیات کا باقاعدہ اور تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش نہیں کی گئی اس لحاظ سے یہ پہلی کوشش ھے ۔ اس سلسلہ میں اب تک جو کام ھوا ھے وہ حسب ذیل ھے :۔

(۱) بنگالی زبان کے سلسلہ میں جو معلومات پیش کی گئی ھیں وہ سید وحید قیصر ندوی کے مضمون اقبال اور بنگالی ادیب سے ماخوذ ھیں جو رسالہ ماہ نو کراچی بابت اپریل ۱۹۵۲ع میں شائع ھوا ھے۔

۱ - عبدالمالک صاحب آروی نے اپنی کتاب اقبال کی شاعری کی طبع ثالث میں " اقبالیات "، کا مختصر جائزہ لیا ھے اور اس میں صرف چار کتابوں پر تبصرہ کیا ھے اور ۱۹ کتابوں کی صرف ایک مختصر فہرست دی ھے ۔

۲ - " سیرۃ اقبال "، میں اقبالیات کی ایک فہرست دی گئی ھے۔ لیکن اس میں صرف کتابوں کے نام دے دئے گئے ھیں ۔

۳ - Iqbal Studies کے نام سے کراچی کی بزم اقبال نے ۴۳ صفحوں کا ایک کتابچہ شائع کیا ھے جس میں چند مضامین ھیں اور چند کتابوں کے نام ۔

۴ - اخبار الشرق (کراچی) کے اقبال نمبر میں "اقبالیات"، کے عنوان سے ایک صفحہ میں ۶۰ کتابوں کے صرف نام دئے ھیں جن میں اقبال کی تصانیف بھی شامل ھیں۔

ظاھر ھے کہ یہ فہرستیں جامع اور مکمل نہیں کہی جا سکتیں ۔ اس اھم علمی ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ھوئے ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ھیں :۔

"گو کلام اقبال کے متعلق مضامین کی فہرست بظاہر طویل ہے، لیکن ان کی عظمت اور بلندی کی نسبت اب بھی بہت تشنہ اور مختصر ہے ۔اگر ہم سچ مچ اقبال کو اپنی ذہنی تاریخ میں وہی درجہ دیتے ہیں جو انگریزوں اور جرمنوں نے شیکسپیر اور گوئٹے کو دے رکھا ہے، تو ہم ان کے ساتھ اپنی محبت اور ان کے اعتراف کے بارہ میں شرمندہ ہونے پر مجبور ہونگے ۔ انگریزی اور مغربی ادب کے واقف کاروں سے وہ طویل و ضخیم اسماء الکتب (Bibliographies) پوشیدہ نہیں ہیں جن میں شیکسپیر اور گوئٹے کے متعلق کتابیں شامل ہیں ۔ مثال کے طور پر Dr. Episck Schucking کی Bibliography of Shakespeare پر نظر ڈالئے جو بڑے سائز کے تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کے مندرجات پر غور فرمائیے اور بتلائیے کہ کیا شیکسپیر کی زندگی، ذہن، کلام، آرٹ اور شخصیت کا کوئی ایسا گوشہ ہے جو اس کے محبوں کی غائر اور بصیر نظروں سے اوجھل رہا ہے"۔(۱)

ہر وہ شخص جس نے اقبالیات کی تعداد کے ساتھ ہی ان کی نوعیت اور قدر و قیمت کا اندازہ کیا ہے، ڈاکٹر موصوف کے ساتھ اتفاق کرے گا کہ اب تک اقبالیات کے نام سے جو ذخیرۂ ادب تیار ہو چکا ہے وہ اس پایہ کا نہیں ہے جیسا کہ ہونا چاہئے اور جس سے اقبال کے مطالعہ میں کافی مدد مل سکے۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ اب تک کسی خاص منصوبہ بندی کے تحت یہ کام نہیں کیا گیا اور سوائے ان گنے چنے لوگوں کے جنہوں نے اپنے ذاتی شوق اور مطالعہ سے اقبال کی کسی نہ کسی حیثیت پر کام کیا ہے، باقی اکثر تحریرات یا تو ایک دوسرے کی نقل ہیں، یا محض مدحیہ اور ستائشی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناقدین اقبال کو ان پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ اس لئے اب ضرورت اس بات کی مقتضی ہے کہ مطالعۂ اقبال کے سلسلہ میں

کوئی عملی اور ٹھوس کام کیا جائے اور اس میں ایسے اصحاب فکر و نظر حصہ لیں جو اقبال شناسی میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں ۔

اقبالی انجمنوں کے اس وقت ملک میں بعض اقبالی انجمنیں ایسی ہیں جن کو لئے لائحہ' عمل چند قابل اصحاب فن کی خدمات حاصل ہیں اور جن میں سے بعض کو حکومت کی سرپرستی بھی حاصل ہے ۔ ان کے سامنے ایک لائحہ' عمل ہونا چاہئے جس کے مطابق وہ ایک مدت معینہ کے اندر ایسی بلند پایہ کتابیں تیار کرائیں جو مطالعہ' اقبال کے سلسلہ میں نہایت جامع اور پر از معلومات ہوں ۔ ان میں اقبالی تصانیف کو سمجھنے کے لئے حوالہ اور استناد کی کتابیں سب پر مقدم ہیں ۔

لہذا مندرجہ' ذیل کتب کی تالیف و تدوین کا کام جلد شروع ہونا چاہئے :

(۱) ایک جامع لغات کی ترتیب جس میں اقبال کی تمام تصانیف میں مختلف علمی و فنی اصطلاحات کو بہ ترتیب حروف تہجی جمع کر کے ان کے معنی و مطالب کی تشریح کی جائے ۔

(۲) اقبالی تلمیحات و اشارات پر ایک جامع کتاب کی تدوین جس میں تمام تلمیحات کی تشریح و توضیح ہو ۔

(۳) فہرست اعلام و اماکن جس میں کلام اقبال کے تمام اشخاص و اماکن اور کتب کا احوال ہو ۔

(۴) سیرۃ اقبال بڑے پیمانے پر تیار کی جائے جو ان کی زندگی کے تمام حالات و خیالات کے مختلف شعبوں اور کارناموں پر حاوی ہو ۔

(۵) کلام اقبال کے مجموعوں کے خاص ایڈیشن مقدمات اور تشریحی حواشی کے ساتھ شائع کئے جائیں ۔

(۶) اقبالیات پر کتابیات کی ایک جامع اور مانع فہرست جو تمام زبانوں میں شائع شدہ مضامین، رسائل اور کتب پر مشتمل ہو ۔

(۷) خطبات ستہ یا اسلامی الٰہیات کی جدید تشکیل کے معتبر و مستند اردو ترجمہ کی اشاعت ۔

(۸) مجموعہٴ مضامین۔ اقبال کے تمام اردو اور انگریزی مضامین کے مجموعوں کی اشاعت ۔

(۹) مکاتیب اقبال ۔ اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط کو جمع کر کے شائع کیا جائے ۔

(۱۰) اقبالی تصانیف پر منتخب تبصروں کے مجموعہ کی اشاعت ۔

(۱۱) انتخاب منظومات اقبال ۔ ان کی چیدہ اور منتخب نظموں کا مجموعہ جیسا کہ خود ان کا ارادہ تھا ۔

(۱۲) اقبال کی نظموں کے تمام انگریزی ترجموں کے مجموعہ کی اشاعت ۔

چند تجاویز

ان کتابوں کے علاوہ تعلیمات اقبال کی اشاعت کے ساتھ ان کے علمی آثار کی حفاظت بھی نہایت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں چند تجاویز پیش کی جاتی ہیں :—

(۱) ادارہٴ اسلامیات کا قیام جس کا ذکر مرزا جلال‌الدین بیرسٹر نے اقبال کی زبانی اپنے مضمون مندرجہٴ ملفوظات میں کیا ہے۔

(۲) اقبالی دارالاثار جس میں ان کی کتابیں، مسودات، تصاویر، خطوط وغیرہ حاصل کرکے محفوظ کئے جائیں۔

(۳) مکتبۂ اقبال یا اقبال لائبریری جس میں ہر زبان کی اقبالیات جمع کی جائیں اور ان کی تصانیف کے تمام ایڈیشن فراہم کئے جائیں ۔ نیز وہ تمام کتابیں جمع کی جائیں جو مطالعۂ اقبال کے سلسلہ میں ضروری اور کار آمد ہوں ۔

(۴) اسلامی مرکز۔ اس منصوبہ کے مطابق جس کا ذکر اقبال نے علامہ مصطفیٰ المراغی شیخ الازہر کے نام اپنے مکتوب میں کیا ہے، ایک اسلامی مرکز کا قیام ۔

اگر اقبالی انجمنیں ان تجاویز پر عمل پیرا ہوں تو اقبالیات کا مستقبل نہایت شاندار اور درخشاں ہوگا اور ہم اپنے اس مفکر اعظم اور دانائے راز کی تعلیمات سے بخوبی مستفیذ ہو سکیں گے ۔

و ما توفیقی الا باللہ العظیم

اشاریہ (۱)

اشخاص

(الف)

آدم الدین ۱۶۹
آربری ۱۲، ۲۱، ۲۲، ۶۳
آرتھر، جیفرے ۱۶۷
آرنلڈ، سر تھامس ۹۳، ۹۵، ۹۶، ۹۷
آزاد (ابوالکلام) ۹۸، ۹۹
آزاد (محمد حسین) ۴۸، ۴۹
آصف فیضی ۱۲۸
آفتاب احمد خاں ۱۳۳
آل احمد سرور ۵۷، ۱۱۸، ۱۵۳، ۱۵۴
ابن جوزی ۳۰
ابن حزم ۱۱۶
ابن عربی ۹۲ - ۹۳
ابن الفارض (عمر) ۹۳
ابوالحسن (اشعری) ۹۵
ابوالاعلیٰ مودودی ۹۵
ابو طاہر (قادری) ۶، ۳۷
ابوالعلاء المعری ۹۳
ابو نواس ۴۳
اجمل خاں (حکیم) ۱۱۷
احمدالحسینی (ابوالنصر) ۱۶۵
احمد خاں (سید) ۷۲، ۹۴
احمد علی (پروفیسر) ۱۵۴
احمد کلچیں ۱۶۶
احمد میاں اختر ۶۳
احمد ندیم ۳۸
اختر حسین (ڈاکٹر) ۱۵۴
اسلم جیراج پوری ۸، ۱۱، ۳۱، ۳۲، ۳۵، ۱۱۶، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۸، ۱۳۱
اسپرنگلنگ ۳۶، ۱۰۹
اسمتھ، کانٹویل ۱۵۴، ۱۵۵
اشرف علی خاں ۱۶۸
اشفاق حسین ۸
اصغر گونڈوی ۶۴
افسر میرٹھی ۶۷
افلاطون ۱۲۲، ۱۲۳

اقبال سنگھ ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۲، ۱۵۶
اکبر الہ‌آبادی ۳۰ ، ۷۰ ، ۹۳
اکبر علی (شیخ) ۵۹
اکرم حسین (قاضی) ۱۶۸
اکرم خاں (مولانا) ۱۶۸
البیرونی ۱۴۸
الطاف حسین ۲۰
امر ناتھ جھا ۱۵۸
امیا چکرورتی ۱۶۸
امین الدین (پروفیسر) ۱۶۸
انوری (شاعر) ۵۲
اورنگ زیب ۱۳۵

(ب)

بابر ۱۳۵
بدرالدین حسن ۵
بذل‌الرشید (ابو نعیم) ۱۶۹
براؤن ۳۳، ۷۲، ۹۵، ۱۰۱، ۱۰۳
۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲
بشیر احمد (میاں) ۱۴۹
بشیر احمد (ڈار) ۷، ۲۵ ، ۱۰۵، ۱۳۱
بشیرالدین احمد (سید) ۱۰۵
بشیرالحق دسنوی ۷۵
بہار (ملک‌الشعرا) ۱۲ ، ۸۰ ، ۸۱ ،
۱۶۶، ۱۹۴
بہروم رنگ ہوئی ۱۲ ، ۲۰
ہوسانی ۱۲، ۲۲ ، ۱۰۵، ۱۶۷

(ت ٹ)

تاثیر (ڈاکٹر) ۷، ۲۱، ۳۱، ۳۸
تصدق حسین تاج ۱۷، ۱۲۳، ۱۵۲
تقی زادہ (سید حسین) ۱۶۶
تمکین کاظمی ۹۴
تیج بہادر سپرو ۱۵۸
تیمور (امیر) ۱۳۵
ٹیگور ۶۹، ۱۰۹

(ج)

جامی (مولانا) ۷۸، ۷۹
جاوید اقبال ۱۴۵
جگر مرادآبادی ۶۴
جلال‌الدین (اکبر) ۷
جلال الدین مرزا ۱۷۳
جلال الدین رومی ۱۶، ۵۴، ۵۵، ۵۶،
۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۸
جمال الدین افغانی ۵۱، ۹۴، ۱۴۲
جناح (محمد علی) ۱۷، ۱۴۰، ۱۴۴،
۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷
جواہر لال (پنڈت) ۶۰، ۱۱۷، ۱۶۰
جوش ملیح‌آبادی ۶۴، ۶۷

جوگیندر سنگھ (سردار) ۳۲
جہانگیر (بادشاہ) ۱۳۵

(ح،خ)

حافظ (خواجہ) ۱۲۲، ۱۲۳
حالی (مولانا) ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۶۴
حافظ ضمیرالدین ۲۳
حبیب اللہ (بہار) ۱۶۹
حبیب یغمائی ۱۶۶
حسن اختر (راجہ) ۷
حسن الاعظمی ۲۱
حسن الدین (میر) ۱۱، ۲۳، ۲۴، ۱۶۰
حسن نظامی ۵۵، ۷۱، ۱۰۰، ۱۲۲، ۱۲۵
حسرت (چراغ حسن) ۵، ۸، ۳۸، ۴۰
حسرت موہانی ۶۴
حسین احمد (مدنی) ۱۳۹
حسین خطیبی ۸۰
حسین علاء ۱۶۶
حفیظ ہوشیار پوری ۱۱، ۷۲، ۹۵
حمید احمد خاں (پروفیسر) ۴۱
خسرو (امیر) ۷۹
خورشید علی مہر ۲۰
خوشحال خاں خٹک ۱۹
خواجہ نقشبند ۱۱۵

(د ڈ ذ)

داس (سی آر) ۱۱۷
داغ (نواب مرزا) ۶۱
درگا سہائے سرور جہان آبادی ۶۶
ڈارون ۱۰۱
ڈانٹے ۱۵، ۱۶، ۱۵۷
ڈکنسن، پروفیسر ۳۳، ۱۲۶
ذوالفقار علی، نواب سر ۵۴

(ر ز)

راس مسعود، سر، ۲۹
رام بابو سکسینہ ۱۲
رادھا کرشنن، سر ۱۰۲، ۱۱۸
رشید احمد صدیقی، پروفیسر ۳۴، ۳۸، ۵۶، ۸۹، ۱۳۱
رضی الدین صدیقی ۹، ۱۱، ۱۰۴
رفیع الدین (ڈاکٹر) ۱۲۹
روپ کم کرشن آرٹسٹ ۴۶
رومی، مولانا جلال الدین ۱۶، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۸
ریاض الحسن ۱۶۷
ریڈ، ہربرٹ ۸۶
زور پروفیسر (دیکھئے محی الدین)

(س)

ساغر نظامی ۶۷
سپرو (دیکھئے تیج بہادر)
سجاد علی انصاری ۳۳ ، ۶۹
سرور (دیکھئے درگا سہائے)
سعید علی شعلان ۲۱
سعید نفیسی، پروفیسر ۱۶۶
سلیمان ندوی، سید ۷، ۸، ۲۵، ۲۷، ۲۸، ۳۴، ۳۷، ۵۴، ۹۸، ۱۱۴، ۱۳۱، ۱۵۵
سمندر خاں ۲۰
سمیع اللہ یار جنگ، نواب ۱۵۸
سنائی، حکیم ۵۴
سنہا ۴۷، ۱۵۶، ۱۵۸
سورلے، ڈاکٹر۔ ایچ ۔ٹی ۲۱، ۱۶۰، ۱۶۱،
سید احمد خاں، سر (دیکھئے احمد خاں)
سیماب اکبرآبادی ۱۵۴

(ش)

شاہ دین ہمایوں ۷۱
شبلی نعمانی، علامہ ۱۴، ۳۸، ۳۹، ۶۴، ۸۰
شجاع ناموس، ڈاکٹر ۱۰۵
شوکت سبزواری، ڈاکٹر ۱۰۴
شہید اللہ، محمد ۱۶۹
شیخ اکبر ۱۱۶
شیمل ۱۶۸
شیر محمد چودھری ۷

(ص)

صادق (سرمد) ۱۶۶
صبغۃ اللہ بختیاری ۹۱
صدرا (ملا) ۱۰۹، ۱۱۰
صلاح الدین سلجوقی ۱۲
صورت گر (دیکھئے لطف علی)

(ط ظ)

طالب آملی ۷۸ ، ۷۹
ظفرالحسن، ڈاکٹر ۷، ۱۱۲
ظفر علی خاں، مولانا ۱۳۴

(ع)

عابد علی (عابد) ۷ ، ۸۶
عابد حسین (ڈاکٹر) ۱۲۸
عائشہ (بلقیس عمر) ۱۳۳
عباس محمود (مصری) ۱۶۵
عبدالحق (مولوی) ۲۳ ، ۳۴ ، ۶۲ ، ۶۵ ، ۶۹ ، ۷۹
عبدالحق (شیخ) ۷۱

عبدالحکیم (خلیفہ) ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۹
۴۱ ، ۹۵ ، ۹۹ ، ۱۰۲ ، ۱۰۴
۱۰۸ ، ۱۱۸ ، ۱۵۵
عبدالحمید خاں سلطان ترکی ۱۴۲
عبدالحمید (خواجہ) ۲۱، ۳۱، ۸۱، ۱۶۶
عبدالحی (مولوی) ۱۳
عبدالرزاق (حیدرآبادی) ۷۳ ، ۹۴
عبدالرحمن (جسٹس) ۱۷ ، ۱۹
عبدالرحمن بجنوری ۳۲ ، ۳۴ ، ۷۷
۱۰۷
عبدالرحمن (طارق) ۷، ۸، ۲۴، ۹۱
عبدالرشید (طارق) ۲۸
عبدالرشید (فاضل) ۲۰
عبدالسلام ندوی ۷ ، ۳۶ ، ۳۹، ۱۲۸
۱۳۱، ۱۵۴
عبدالسلام خاں (مولوی) ۱۳
عبدالقادر (سر شیخ) ۱۰، ۱۵، ۴۷، ۵۲
۵۳ ، ۷۶
عبدالقادر (سروری) ۱۳ ، ۴۹
عبدالکریم الجیلانی ۱۸
عبداللہ (ڈاکٹر) سید ۱۲، ۵۷ ، ۱۰۶ ،
۱۴۸ ، ۱۷۰
عبداللہ خاں (قاری) ۹
عبداللہ انور بیگ ۱۲ ، ۵۷ ، ۱۴۷ ،
۱۷۰
عبداللہ، شیخ ۱۷
عبداللہ یوسف علی ۷۷ ، ۱۵۹
عبداللطیف شاہ ۱۶۱
عبدالماجد دریابادی ۲۵، ۳۶ ، ۵۵
عبدالمالک آروی ۶۷ ، ۹۲ ، ۱۱۶
۱۱۷، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۷۰
عبدالمنان (سید) ۱۶۹
عبدالواحد ابو ظفر ، پروفیسر ۲۷ ، ۱۵۳
عبدالواحد سید ۱۱، ۴۲، ۴۷
عبدالواحد (ابو ظفر) ۲۷ ، ۱۵۳
عبدالوہاب عزام ۱۲، ۲۰، ۲۱، ۲۴
۴۳، ۱۶۵
عثمان امین پروفیسر ۱۶۵
عراقی فخرالدین ۵۴
عرفی ۷۸، ۷۹،
عزیز احمد ۴۷، ۸۵
عزیزالدین (خواجہ) ۸۰
عشرت حسن انور ۱۱، ۱۱۲
عشرت رحمانی ۲۷
عطار خواجہ ۵۴
عطیہ بیگم فیضی ۱۰، ۱۴، ۱۷ ، ۲۴،
۴۱
عظیم حسین (میاں) ۱۵۹
علی احسن (سید) ۱۶۹
علی بخش ۳۸

علی سردار جعفری ۵۹
علی گنجیلی (ڈاکٹر) ۱۲، ۲۱
عنصری ۷۸
عالمگیر (دیکھئے اورنگ زیب)

(غ)

غالب ۳، ۴۹، ۶۱، ۶۲، ۶۴، ۷۳، ۷۸، ۷۹، ۸۰
غلام دستگیر (رشید) ۷، ۲۳، ۱۳۱، ۱۳۳
غلام سرور فگار ۸، ۱۵۵، ۱۵۹
غلام السیدین (خواجہ) ۱۱، ۲۸، ۱۰۴، ۱۳۲
غلام قادر (روھیلہ) ۱۳۶
غلام قادر گرامی ۷۵، ۸۰، ۸۳
غلام بھیک نیرنگ ۱۴۱
غلام مصطفیٰ تبسم، صوفی ۲۵

(ف)

فارسٹر، ای۔ایم ۳۳
فانی (بدایونی) ۶۴
فشٹے ۱۰۳
فشر، ڈاکٹر ۳۵، ۱۶۷
فضل الٰہی عارف ۹۱
فضل حسین، سر ۱۵۹
فضل حق حیرآبادی ۷۳
فضل الدین احمد ۹۸، ۹۹
فضل الرحمن (پروفیسر) ۱۰۴
فیاض محمود (پروفیسر) ۱۰۴
فیروز الدین طغرائی حکیم ۱۲۴

(ق ک گ)

قائد اعظم (دیکھئے جناح محمد علی)
کارل مارکس ۱۰۸
کالی داس شاعر ۱۵۷
کانٹ ۱۱۱
کرنن، وی۔جی، پروفیسر ۲۱
کشن پرشاد مہا راجہ ۱۷، ۳۰
کلیم الدین احمد ۱۳، ۵۱، ۵۸، ۱۵، ۸۵، ۱۰۴
کیٹس ۸۶
گاندھی ۱۰۹
گب، پروفیسر ایچ۔اے۔آر ۴۳، ۹۵
گرامی (دیکھئے غلام قادر)
گوئٹے ۱۵

(ل)

لطف علی صورت گر، ڈاکٹر ۱۶۶
لمعہ حیدر آبادی، ڈاکٹر ۶۹
لوتھین، لارڈ ۱۴۷
لین پول، سٹینلے، ۱۳۶

لینن ۱۰۸

(م)

مالک رام ۱۰۸
مانی ۱۱۵
مجتبیٰ مینوی ۱۲ ، ۱۶۶
مجدد سر هندی ۱۱۵
مجنون گورکھپوری ۴۸، ۴۹، ۵۱
محسن تاثیر ۱۲۳
محمد احمد خاں ۴۸ ، ۱۵۶
محمد انور(حارث) ۴۷
محمد اشرف ۲۴
محمد بخش واصف ۲۰
محمد تراب علی خاں ۳۵
محمد جمیل ۳۱
محمد حسین چودھری ۳۵ ، ۴۱ ، ۱۳۳ ، ۱۴۹
محمد دین تاثیر، ڈاکٹر ۷، ۲۱، ۳۱، ۳۸
محمد دین (فوق) ۳۸
محمد سلطان ۱۶۹
محمد شاہ (سید) ۶
محمد شریف (میاں) ۱۰۴، ۱۵۵، ۱۵۹
محمد شفیع (پروفیسر) ۱۳
محمد صالح (منشی) ۲۳
محمد طفیل احمد بدر، سید ۴۲
محمد عبداللہ (قریشی) ۱۲۵
محمد عبدہ مصری ۹۴
محمد عزیز احمد ڈاکٹر ۱۰۴، ۱۴۸
محمد عسکری ، مرزا ۱۲
محمد علی جوہر ۶۵، ۱۱۷، ۱۱۸
محمد علی چودھری ۱۰
محمد علی (داعی اسلام) ۱۶۶
محمد علی، سید، پروفیسر ۹
محمد علی میکش ۱۲۸، ۱۲۹
محمد مجیب پروفیسر ۴۱
محمد نیاز الدین خاں ۱۷، ۱۲۰
محمود عباس ، علامہ ۲۴
محمود نظامی ۳۸ ، ۹۵
محی الدین ابن العربی ۹۲، ۹۳
محی الدین جیلانی ۱۱۵
محی الدین قادری زور ۱۷
مزدک ۱۱۵
مسلم ۱۴۸
مسیحی جہانگیری ۳۰
مصطفیٰ المراغی ۱۳۳، ۱۷۴
مظفر احمد فضلی ۱۲۳
معین الدین (ندوی) ۱۲۷
میک ٹیگارٹ ۱۰۹، ۱۱۲
ملٹن ۱۵۷

ممتاز حسن ۱۱، ۱۰۷
منصور حلاج ۳۰، ۹۳، ۱۱۶، ۱۱۷
منور الدین چودھری ۱۶۹
میر حسن علامہ ۹۲
میریا نالینو ۱۶۶
میزان الرحمن ۱۶۹

(ن)

نادر کاکوروی ۶۶
ناصر خسرو (دیکھئے خسرو)
ناظر خوشی محمد خاں ۱۵۱
ناظم ہروی ۷۸
نذیر نیازی، سید ۱۱، ۲۲، ۲۳، ۳۱
۳۶، ۳۸، ۹۰، ۱۰۶
نظام دکن ۱۱۲
نظامی گنجوی ۶۲
نکلسن، ڈاکٹر رینالڈ ۱۳، ۱۹، ۲۴،
۳۴، ۳۵، ۳۷، ۸۶، ۹۵، ۱۰۶
۱۱۰، ۱۲۵، ۱۱۶، ۱۶۴
نورالحسن ہاشمی ۱۳۳
نواب بھوپال ۲۸
نواب علی، پروفیسر سید ۳۶
نیاز، اے۔ کیو ۲۲
نیٹشے ۳۱، ۳۴، ۹۷، ۱۰۱، ۱۰۳،
۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۵۹

(و)

وارڈ ۱۰۳، ۱۰۶
وحید قیصر ندوی ۱۰۷
وقارالملک نواب ۱۰۰
وکٹر ہیوگو ۱۶۲
ولی الدین، ڈاکٹر میر ۱۱، ۹۱
وھٹمین، والٹ ۸۶

(ہ)

ہادی حسن آغا ۳۵
ہاشمی ڈاکٹر ۱۴۹
ہل، پروفیسر ۲۱

(ی)

یکتا امروہی حقانی ۸۴
یوسف حسن حکیم ۵
یوسف حسین خاں ڈاکٹر ۹، ۱۰
۵۷، ۶۴
یوسف سلیم چشتی ۲۰، ۹۱، ۱۰۷
۱۰۹

اشاریہ (۲)

کتب

(الف)

آرڈنٹ پلگرم ۳۸، ۴۲، ۱۵۶

آثار اقبال ۷، ۳۴، ۴۱، ۶۶، ۸۲، ۱۰۶، ۱۱۸، ۱۳۱

آفاق (اخبار) ۷۲

الثقافہ (مجلہ) ۱۶۵

اجتہاد (کتابچہ) ۲۵

احسان (اخبار) ۱۳۹

اخبارالشرق ۱۷۰

اردو (رسالہ) ۵، ۸، ۵۷، ۷۳، ۷۵، ۸۵، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۲۸، ۱۵۳، ۱۵۴

اردوشاعری پرایک نظر۱۳، ۵۱، ۶۵، ۸۵

ارمغان حجاز ۱۶، ۲۴

اسرار خودی (دیکھئے مثنوی)

اسلامک کلچر ۱۲۸، ۱۴۹

اسلام میں جدید رجحانات ۱۵۵

اسلامی اصول فقہ ۲۸

اسلامی الٰہیات کی تشکیل جدید ۱۶، ۲۲، ۳۶، ۱۵۱

اسلامیکا (رسالہ) ۳۵، ۱۶۷

اشارات اقبال ۸، ۹۱

اصلاحات اقبال ۷۵

اقبال (مجموعہ) ۵، ۵۱، ۱۶۹

اقبال (مجلہ) ۱۲۵، ۱۲۹

اقبال (کتاب) ۴۶، ۱۵

اقبال اینڈ تھنکر ۸۵، ۱۰۳، ۱۴۹

اقبال اور آرٹ (دیکھئے اقبال کا فن)

اقبال اور پاکستان ۱۴۸

اقبال اور فلسفۂ مغرب ۱۰۷

اقبال پر ایک نظر ۶، ۳۶

اقبال کا تصور زمان و مکان ۹

اقبال کا سیاسی کارنامہ ۱۴۸، ۱۵۶

اقبال کا فلسفۂ تعلیم ۱۳۲

اقبالز فلاسفی آف سوسائٹی ۱۰۵، ۱۳۱

اقبال کا فلسفۂ زندگی ۱۰۵

اقبال کا فن و فلسفہ ۴۲، ۹۳

اقبال کا مطالعہ ۱۲، ۹۰، ۱۷۰

اقبال کامل ۳۹، ۸۳، ۱۲۸، ۱۳۱، ۱۵۴

اقبال کی پیش گوئیاں ۱۴۹
اقبال کی زندگی ۴۱
اقبال کی شاعری ۶۷، ۶۸، ۹۲، ۱۱۶
۱۱۷، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹،
۱۶۰
اقبال کی شاعری اور پیغام ۵۹، ۱۵۶
اقبال کے علمی جواہر ریزے ۴۱
اقبال لاہوری ۱۶۶
اقبال نامہ ۵، ۸، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۳۱،
۳۸، ۴۰
اقبال نامہ فارسی ۸۱، ۱۶۶
اقبال و شعر فارسی ۱۶۶
اکبری اقبال ۷۱
اکتشاف ہند ۶۰
الطواسین ۳۰، ۱۱۶
الوعی (مجلہ) ۱۶۵
الہلال (اخبار) ۹۹
المقتطف (مجلہ) ۱۶۵
الناظر (رسالہ) ۳۲، ۶۶، ۱۲۳
امان افغان (رسالہ) ۳۵
انجیل مقدس ۳۱
انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ۱۳، ۶۱،
۶۵
انگریزی عہد میں ہندوستان کا تمدن
۷۷
ایسپکٹس آف اقبال ۷
ایسٹ اینڈ ویسٹ (رسالہ) ۳۲، ۷۷
اینتھینم (اخبار) ۳۳، ۱۵۵
ایران میں ما بعدالطبیعات کا ارتقاء
۱۱ -

(ب)

باقیات اقبال ۷۱، ۷۴
بال جبریل ۱۶، ۱۶۸، ۱۶۹
بانگ درا ۱۰، ۱۵، ۲۱، ۳۴، ۴۷، ۵۷،
۶۷، ۷۱، ۷۳، ۱۶۱، ۱۶۸
بزم اقبال ۶، ۲۶
بقول زر دشت ۳۱
بندگی نامہ ۱۵
بایو گرافی آف شیکسپئر ۱۷۱
بھگوت گیتا ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۷۶

(پ)

پس چہ باید کرد ۱۶، ۳۶
پیام آفتاب ۱۲۴
پیام مشرق ۱۵، ۱۸، ۲۱، ۳۵، ۸۲،
۱۲۴، ۱۵۹، ۱۶۹
پوئٹ آف دی ایسٹ ۳۷، ۴۲

(ت)

تاریخ ادب اردو ۱۳

تاریخ ادبیات ایران ۱۰۹، ۱۱۰

تاریخ عالم ۲۴

تذکرہ ۹۸، ۹۹

ترجمان اسرار ۱۹

ترجمان خودی ۲۰

تصوف کی تاریخ ۳۰

تعارف اقبال ۴۲

تلمیحات اقبال ۱۰۹

تقاریر و بیانات اقبال ۱۳، ۱۱۲، ۱۱۶

۱۶۰

ترقی پسند ادب ۵۹

تقویت الایمان ۳۰

تنقیدات عبدالحق ۷۰، ۷۶

(ٹ)

ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ ۱۵۵

ٹیگور اور اقبال ۶۹

ٹیولپ آف سیناے ۲۱

(ج)

جاوید نامہ ۱۶، ۲۲، ۳۵، ۱۵۹

جدید اردو شاعری ۱۳، ۴۹، ۶۲

۶۷

جذبات نادر ۶۷

جلوہ ۱۶۹

جوہر (اقبال نمبر) ۵، ۸، ۲۳، ۳۲، ۵۵،

۵۹، ۱۲۳، ۱۲۸

جہان اقبال ۷

(ح)

حکمت اقبال ۲۳، ۳۵، ۳۶، ۱۳۳

حکمت جاوید ۳۶

حیات اقبال ۳۷

حیات جاوید ۳۷

حیات شبلی ۳۷

(خ)

خضر راہ (سیرۃ اقبال) ۲۲، ۸۴

خطبات و تقاریر ۱۷، ۲۶، ۱۱۴

خطوط اقبال (دیکھئے مکاتیب)

(د)

دل و دماغ کی سرگزشت ۲۷

دیوان غالب ۷۳

دیوان گرامی ۸۳، ۸۴

(ڈ)

ڈاکٹر اقبال ۴۱

ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی ۴۳

۱۱۱

ڈیوائن کامیڈی ۱۶

(ر)

رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا مجلہ ۳۳

راز بیخودی ۱۲۳

رامائن اردو ۳۰

رخت سفر ۴۷

رموز بیخودی (دیکھئے مثنوی)

رموز اقبال ۹۱

رموز فطرت ۲۴

روح اقبال ۹، ۱۰، ۵۷، ۶۴، ۸۵،

۱۲۸

رومی اور اقبال ۱۰

رومئی عصر ۸۱، ۱۶۶

رومی، نٹشے اور اقبال ۱۰۸

(ز)

زبور عجم ۱۵، ۲۲، ۲۳، ۶۳

زمانہ (رسالہ) ۳۳، ۶۳

(س)

سب رس (رسالہ) ۶

سلطان (رسالہ) ۱۶۸

سہیل (رسالہ) ۱۳۳

سم ریسنٹ اسپیچز آف مسٹر جناح ۱۳۰

سر فضل حسین، اے پولیٹیکل بایوگرافی

۱۵۹

سوشیالوجیکل ریویو نندن ۱۴۹

سیر افغانستان ۸

سیرۃ اقبال ۳۷، ۱۷۰

(ش)

شاد اقبال ۱۷

شرح ارمغان حجاز ۹۱

شرح اسرار خودی ۹۱

شرح بال جبریل ۹۱

شرح بانگ درا ۹۱

شرح جاوید نامہ ۹۱

شرح ضرب کلیم ۹۱

شکوہ و جواب شکوہ ۲۰، ۲۱، ۱۶۸،

۱۶۹

شیرازہ (رسالہ) ۳۸، ۵۰

(ص)

صدائے مشرق ۵۴

(ض)

ضرب کلیم ۱۶، ۲۴، ۱۶۸، ۱۶۹

(ع)

علم الاقتصاد ۱۴

علی گڑھ میگزین ۶

(ف)

فراموش شدہ پیغمبر کی کتاب ۳۱

فلسفۂ عجم ۱۱، ۱۵، ۲۴، ۱۱۵، ۱۱۶

فلسفۂ الہیات ۲۱

فکر الہیات ۲۳، ۱۴۹

فیشن (انگریزی رسالہ) ۳۳

فیتھ آف اسلام ۹۶، ۹۷

(ک)

کتاب الملل ۱۱۶

کرسچین ڈم (رسالہ) ۳۶، ۱۰۹

کلیات الہیات ۷۳، ۹۴

کوی الہیات ۱۶۹

کوئسٹ (رسالہ انگریزی) ۳۴، ۱۲۷، ۱۵۵

(گ)

گل رعنا ۱۳

گلشن راز جدید ۱۵

گنجہائے گرانمایہ ۳۸، ۸۸

گیتا، بھگوت ۱۲۷، ۱۲۸

(ل م)

لسان الغیب ۱۲۴

مثنوی اسرار رموز ۱۵، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۷۷، ۷۸، ۸۶، ۹۱، ۹۶، ۹۸، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۵۵، ۱۶۴، ۱۶۹

مثنوی مسافر ۱۶

مثنوی معنوی ۵۵

محشر خیال ۶۹

محمد الہیات، سیرۃ و فلسفہ و شعر ۴۳، ۱۶۵

محمدی (بنگالی ماہنامہ) ۱۶۸

مخزن (رسالہ) ۵۷

مرآۃ الشعراء ۵۰، ۱۵۵

مرآۃ عالمگیری ۱۳۵

مرقع چغتائی ۸۷

مشرقی دیوان ۱۵

مضامین الہیات ۱۷، ۱۸، ۱۲۳، ۱۳۱، ۱۳۷، ۱۴۶، ۱۵۲، ۱۶۰

معارف (رسالہ) ۳۳، ۳۴، ۹۰، ۱۰۴،
۱۲۷، ۱۳۱، ۱۴۸
مقالات جمالیہ ۵۱، ۵۲
مقالات یوم اقبال ۷، ۱۱۴
مقام اقبال ۸
مقدمہ ابن خلدون ۸۸
مکاتیب اقبال ۱۷، ۲۶، ۳۱، ۳۴
۵۵، ۷۲، ۷۷، ۹۲، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۷
۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰
۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۸، ۱۳۰
۱۳۳، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۵۳، ۱۵۵
ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر ۱۳۴، ۱۳۵
ملفوظات اقبال ۳۸، ۸۸، ۹۵
مہاکوی اقبال ۱۶۹
مئے شبانہ ۲۸
مٹافزکس آف اسلام ۱۱۲
میکرز آف پاکستان ۱۴۸

(ن و ہ)

نظموں کا مجموعہ ۳۱
نقد اقبال ۱۲۸، ۱۲۹
نقیب (رسالہ) ۹۹
نوادرات ۱۳۱
نئے اور پرانے چراغ ۵۸، ۱۱۹، ۱۵۴
ورلڈ آف اسلام ۲۱، ۱۶۸
ہسٹری آف فلاسفی ایسٹرن اینڈ
ویسٹرن ۱۰۲، ۱۱۸
ہمایوں (رسالہ) ۷۵

(ی)

یاد اقبال ۸
یادگار اقبال ۴۲
یغما (مجلہ) ۱۶۶